معراج النبی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک بصیرت افروز خطاب

ماہنامہ

# میثاق

لاہور



مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد



مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

مقام اشاعت :- ۳۶-کے- ماڈل ٹاؤن - لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ریفریجریٹرز، ایئرکنڈیشنرز اور فریزرز میں سب سے بہتر

# سانیو

# SANYO

## خریدیئے

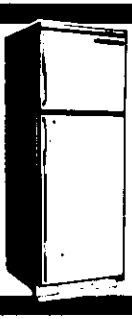



## نوفراسٹ ریفریجریٹرز

اب پاکستان میں تیار/اسمبل کئے جاتے ہیں

۱۰ مختلف سائز میں۔ دلکش رنگوں میں حفاظتی تالے کے ساتھ۔ اشیاء کے ذخیرہ کرنے کی زیادہ گنجائش۔
بازار جانے کی کم زحمت۔ مکمل کارکردگی۔ آزمودہ ریفریجریٹرز
بڑے قدوقامت کے ۳ دروازے والے فیملی ماڈلز سے لیکر
مجرد اشخاص کے لئے چھوٹے ماڈلز تک دستیاب

بے آواز

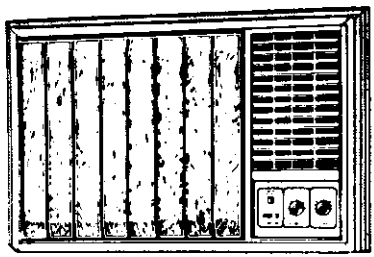

## رُوم ایئرکنڈیشنرز

گرمیوں میں سرد، سردیوں میں گرم ہوا
گنجائش ۱ ٹن (۱۰۰۰۰ بی ٹی یو/ایچ)
پاکستان میں تیار/اسمبل کردہ
ٹھنڈا کرنے کی زیادہ صلاحیت بجلی کا کم خرچ
بہتر کارکردگی کیلئے آٹو ڈیفلیکٹر سے آراستہ
براؤن ٹیک میں فنش کی بنُوئی جالی۔



## اِسپلٹ ٹائپ ایئرکنڈیشنرز

نیا روٹری کمپریسر آواز ارتعاش اور بجلی کا خرچ کم کرنے کیلئے۔
دیوار پر نصب کیا جانیوالا ڈیزائن کمرہ میں قابلِ استعمال جگہ بچاتا ہے
۱۴ گھنٹے کا وقتی سوئچ۔
آئی سی تھرموسٹیٹ صحیح ٹمپریچر برقرار رکھنے کے لئے
۴- اسپیڈ فین آپریشن سیلیکٹر



دیوار فرش اور سیلنگ میں نصب کئے جانے کے قابل
ٹھنڈا کرنے کی صلاحیت ۱۵۰۰۰ تا ۳۵۷۰۰ بی ٹی یو

**کرم فرما خصوصی توجہ فرمائیں:**
مذکرہ مصنوعات خریدتے وقت ورلڈ وائیڈ کمپنی کی جاری کردہ پانچ سالہ گارنٹی ضرور حاصل کریں تاکہ سروس بعداز فروخت کی مفت سہولت سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

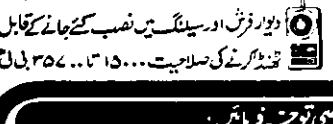

پاکستان میں سانیو کی تمام مصنوعات کے سول ایجنٹس:

# ورلڈ وائیڈ ٹریڈنگ کمپنی

سانیو سینٹر شوروم اور سروس سینٹر گارڈن روڈ۔ صدر کراچی
فون: ۷۷۳۶۴ - ۷۴۷۴۹ - ۷۴۷۰۰
26108 WWTCO PK ... WORLDBEST

ماهنامہ
# میثاق
لاہور

جلد: ۳۲ | شمارہ: ۵ | رجب المرجب ۱۴۰۲ھ مطابق مئی ۱۹۸۲ء

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرتعاون
۳۰/ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد
طابع
چودھری رشید احمد
مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی
فون: ۸۵۲۶۱۱

سب آفس: علا داؤ منزل
نزد آرام باغ۔ شاہراہ لیاقت۔
کراچی۔ فون برائے رابطہ ۲۱۲۷۰۹

## مشمولات

عرضِ احوال ———— ۳
جمیل الرحمٰن
الہدیٰ (۳) ———— ۹
ڈاکٹر اسرار احمد
معراج النبیؐ (خطاب) ———— ۲۳
ڈاکٹر اسرار احمد
اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصور (خطاب) ———— ۶۳
ڈاکٹر اسرار احمد
رودادِ سفرِ حجازِ مقدس ———— ۸۷
ڈاکٹر عارف رشید
تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع ———— ۱۰۳
جمیل الرحمٰن
رفتارِ کار ———— ۱۱۳
ادارہ

UNIVERSAL
[illegible]ES
BOOKSELLERS
HYDERABAD
PH. 4.3693

# حکمتِ قرآن

کا تازہ شمارہ

## اشاعتِ خصوصی

پر مشتمل ہے جس میں

## ڈاکٹر اسرار احمد

کا ایک خطاب بعنوان

## فرائضِ دینی

## کا قرآنی تصوّر

اُسوۂ رسولؐ کی روشنی میں

اور ایک صاحب خیر کا اہم مضمون بعنوان

## قدرت کے طبعی و تمدّنی قوانین اور اسلام و ایمان

شامل ہیں

یہ اشاعت قارئین میثاق تک پہنچ چکی ہوگی قارئین سے درخواست ہے کہ وہ مزید جن علم دوست حضرات کو یہ اشاعت ارسال کرانا چاہیں انکے نام اور مفصل پتے دفتر میثاق کے پتے پر بھجوا دیں شکریہ


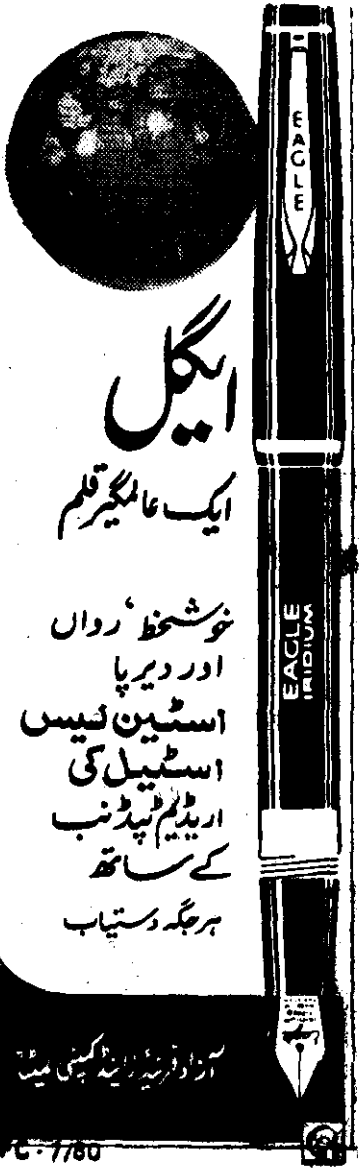


ایگل

ایک عالمگیر قلم

خوشخط، رواں
اور دیرپا
اسٹین لیس
اسٹیل کی
اریڈیم ٹپڈ نب
کے ساتھ
ہر جگہ دستیاب

آزاد قرنیہ اینڈ کمپنی لمیٹڈ

جمیل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرض احوال

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بفضلہٖ تعالیٰ وعونہٖ ماہ رجب المرجّب ۱۴۰۳ھ مطابق مئی ۱۹۸۳ء کا شمارہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ ماہ رجب کی مناسبت سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن کا معراج النبیؐ کے موضوع پر گذشتہ سالوں کا ایک خطاب کیسٹ سے منتقل کر کے اس شمارے میں پیش کیا جا رہا ہے۔ افادیت کا تقاضا تھا کہ اس خطاب کو مکمل طور پر شائع کیا جائے۔ لہٰذا "اصلاح معاشرہ کا قرآنی تصوّر" کے موضوع پر امیر محترم کے دوسرے خطاب کو (جس کی پہلی قسط سابقہ شمارے میں شائع ہو چکی ہے) مزید دو حصّوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ ان شاء اللہ اس خطاب کی آخری قسط جون ۸۳ء کے شمارے میں ہدیۂ ناظرین ہوگی۔ اور ماہ جولائی سے ڈاکٹر صاحب موصوف کے اس خطاب کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوگا جو ۱۲ نومبر ۸۲ء کو جناح ہال میں انجمن کی دس سالہ تقریبات کے افتتاحی اجلاس میں "اصلاح معاشرہ کا انقلابی تصوّر" کے موضوع پر کیا گیا تھا۔ جو اس سلسلۂ خطابات کی آخری کڑی ہے۔ اس طرح اصلاح معاشرہ کے وہ تمام اصول و مبادی اور خد و خال ان شاء اللہ قارئین کرام کے سامنے آجائیں گے جو ان تین خطابات میں پیش کئے گئے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْمِنَّۃ حسب اعلان اور پروگرام تنظیم اسلامی کے آٹھویں سالانہ اجتماع، تیسری سالانہ محاضراتِ قرآنی اور مرکزی انجمن خدام القرآن کے گیارہویں سالانہ اجلاس کا انعقاد بحسن و خوبی یکم تا ۷ اپریل ۸۳ء پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یہ پورا ہفتہ قرآن اکیڈمی میں دینی بہار کے موسم کی کیفیت میں گزرا جس میں علم و عرفان کی بارش ہوتی رہی جس سے متکار کے فکر و نظر اور قلب و روح کو جلا اور بالیدگی حاصل ہوتی رہی۔ ان روح پرور پروگراموں کی اجمالی روداد کو ضبط تحریر میں

لانے کا کام ہو چکا ہے لیکن 'میثاق' کے صفحات کی محدودیت کی وجہ سے یہ روداد قسط وار ہی شائع ہو سکے گی۔ اس کی پہلی قسط اس شمارے میں شامل ہے۔

ماہنامہ **حکمت قرآن** کا مارچ اور اپریل ۸۳ء کا مشترکہ شمارہ اشاعتِ خصوصی کے طور پر منصۂ شہود پر آ گیا ہے۔ چند ناگزیر مجبوریوں کی وجہ سے اس کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر واقع ہوئی جس کے لئے ہم 'میثاق' اور 'حکمت قرآن' کے قارئین سے معذرت کے طالب ہیں۔ یہ اشاعتِ خصوصی صرف دو مضامین پر مشتمل ہے۔ پہلا جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ایک خطاب کی تلخیص بعنوان "فرائض دینی کا قرآنی تصور: اسوۂ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں" اور دوسرا ایک صاحبِ خیر کا ایک انتہائی فکر انگیز مقالہ بعنوان "قدرت کے طبعی و تمدنی قوانین اور اسلام و ایمان"۔ یہ دونوں مضامین اپنے طرزِ استدلال کے باعث نہایت غور و تدبر کے حق دار ہیں۔ امید ہے کہ قارئین کرام ان کا بالاستیعاب اور معروضی مطالعہ کریں گے۔

یہ **اشاعتِ خصوصی** ماہنامہ 'میثاق' کے اپریل کے شمارے میں شائع شدہ اعلان کے مطابق 'میثاق' اور 'حکمت قرآن' کے جملہ سالانہ معاونین کی خدمت میں ارسال کی گئی ہے۔ اس طرح یقیناً اکثر حضرات کی خدمت میں اس اشاعتِ خصوصی کے ایک سے زاید نسخے پہنچے ہوں گے۔ ایسے تمام حضرات سے التماس ہے کہ وہ فاضل نسخے اپنے حلقۂ تعارف میں سے کسی علم دوست کو پہنچا کر تعاون فرمائیں۔ جن حضرات نے ہمیں اپنے حلقۂ احباب کے جو پتے ارسال کئے تھے اور جن کے ہم اپنے طور پر پتے حاصل کر سکے ہیں، ان کی خدمت میں بھی یہ اشاعتِ خصوصی ارسال کر دی گئی ہے۔ قارئین کرام اپنے حلقۂ احباب میں سے مزید علم دوست اصحاب کے نام اور پتے ارسال فرما سکتے ہیں جن کی خدمت میں ان شاء اللہ یہ اشاعتِ خاص ارسال کر دی جائے گی۔

ماہ **اپریل ۸۳ء** کا پہلا ہفتہ جہاں تنظیمی اور تربیتی اعتبارات سے رفقاءِ تنظیم اور وابستگانِ انجمن کے لئے روحانی انبساط کا باعث ہوا وہاں انہیں تین صدمات سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ پہلا صدمہ تو انجمن کے ایک سرگرم رکن

جناب محمد اشرف صاحب کا دل کے اچانک دورے سے ۳۱ مارچ کو انتقال سے پہنچا۔ میاں محمد اشرف صاحب مرحوم اے جی آفس میں اکاؤنٹس آفیسر تھے اور وہاں سے ریٹائر ہو چکے تھے۔ گذشتہ کئی سالوں سے انجمن کی مجلس منتظمہ کے منتخب رکن چلے آرہے تھے اور اعزازی طور پر انجمن کے حساب کے اعزازی محتسب (Auditor) تھے۔ مرحوم تقریباً ہفتہ میں دو تین دن انجمن کے اندرونی آڈٹ کے لئے دیا کرتے تھے۔ مرحوم کی قیام گاہ ۴۸۰ ساگر روڈ لاہور چھاؤنی میں تھی جو قرآن اکیڈمی سے تقریباً ۸ میل کے فاصلے پر ہے۔ گرمی ہو یا سردی ان کا اپنی تفویض کردہ ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے ہفتہ میں دو تین بار اکیڈمی آنے کا معمول تھا۔

**دوسرا صدمہ** انجمن کے دیرینہ رکن اور تنظیم اسلامی کے تاسیسی رفیق چوہدری حبیب اللہ کا ۷ اپریل کو ایک روڈ ایکسیڈنٹ کے باعث انتقال ہے۔ چوہدری صاحب مرحوم ۷ اپریل کو دس بجے کے قریب اپنے مکان واقع ۵۷ کینال بنک مغلپورہ لاہور سے اپنے اسکوٹر پر امیر محترم کا اختتامی خطاب سننے کے لئے قرآن اکیڈمی آرہے تھے کہ راستہ میں ایک کار سے ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں دماغ پر شدید چوٹ آئی جس کے باعث وہ چار پانچ گھنٹے بے ہوش رہے اور ہسپتال میں ڈاکٹروں کی انتہائی کوششوں کے باوجود اسی بے ہوشی کے عالم میں كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ اور وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۔ کے ضابطۂ الٰہی کے مطابق چوہدری صاحب اپنے خالق حقیقی کی طرف مراجعت کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝

**چوہدری حبیب اللہ** مرحوم پاکستان ریلوے میں سپرنٹنڈنٹ ٹیلی کمیونیکیشن کے بڑے عہدے پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو بڑی منکسرانہ، متواضع اور خلیق طبیعت سے نوازا تھا۔ انجمن اور بالخصوص تنظیم کے وہ بڑے سرگرم کارکن اور رفیق تھے۔ اجتماعات میں چاہے وہ انجمن کے ہوں یا تنظیم کے مرحوم تمام رفقاء کے ساتھ ہر قسم کے کاموں میں اس طرح نہایت انہماک سے حصہ لیتے تھے کہ کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ ہمارا یہ طویل قامت رفیق جو ہمارے شانہ بشانہ دریاں بچھا رہا اور

کرسیاں لگا رہا ہے اور لاؤڈ اسپیکر کی دیکھ بھال کر رہا ہے، ریلوے کا ایک بڑا آفیسر ہے۔ نہایت دلآویز تبسم ان کے چہرے کی ایک مستقل علامت اور نشانی تھا۔ تنظیم سے وابستگی کے بعد انہوں نے داڑھی رکھی اور عین سنت کے مطابق رکھی۔ ان کو دیکھ کر، ان سے مل کر اور ان سے گفتگو کر کے واقعہ یہ ہے کہ اندازہ ہوتا تھا کہ اللہ والے لوگ کیسے ہوتے ہیں۔ مرحوم کی ریٹائرمنٹ کے دن قریب تھے، ان کا ارادہ تھا کہ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ اپنا پورا وقت تنظیم اسلامی کی دعوت کی توسیع میں لگائیں گے۔ لیکن ہوا وہ جو اللہ کو منظور تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشادِ گرامی ہے کہ جو بندۂ مومن حادثاتی موت سے ہمکنار ہو، اس کی موت شہادت کی موت ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا چودھری حبیب اللہ مرحوم تو اپنے گھر سے دعوتِ اسلامی کے قائد و امیر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی اختتامی تقریر میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے تھے (ویسے بھی مرحوم تنظیم اسلامی کے اس آٹھویں اجتماع میں پابندی سے شریک ہوتے رہے تھے)، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ وہ چودھری صاحب مرحوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مرتبۂ شہادت پر فائز فرمائے گا۔ امیر محترم نے ۸ اپریل بروز جمعہ چودھری صاحب مرحوم کی نماز جنازہ پڑھائی۔ تنظیم اسلامی کے اجتماعات میں جب کبھی بجلی فیل ہو جاتی تو چودھری صاحب مرحوم ہی عموماً بیٹری کے ایمپلی فائر اور لاؤڈ اسپیکر کا انتظام کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کے جنازے پر یہ انتظام تنظیم کے رفقاء نے انجام دیا۔

۷ اپریل ہی کو بعد دوپہر مرکزی انجمن کے ایک اہم فرد ملک فضل حسین نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔ مرحوم انجمن کے حلقۂ محسنین میں شامل تھے اور گذشتہ دو سال تک مجلس منتظمہ کے رکن بھی رہے تھے۔ ان کے چہرے پر سرطان ہو گیا تھا۔ بغرض علاج امریکہ بھی گئے تھے لیکن اجل مسمّٰی کو کون ٹال سکتا ہے۔ ملک صاحب اس علالت کی حالت میں بھی اکثر نماز جمعہ مسجد دارالسلام ہی میں ادا کیا کرتے تھے۔ ان کے بڑے صاحبزادے نے بتایا کہ جمعرات کو بھی مرحوم کہہ رہے تھے کہ کل جمعہ ہے اور مجھے دارالسلام ڈاکٹر صاحب کی تقریر سننے کے لئے جانا ہے۔ کسی کو خبر نہیں تھی کہ آج ہی وقت پورا اور مہلتِ عمر ختم ہونے والی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا

اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ تینوں مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ بالخصوص چودھری حبیب اللہ مرحوم کو مرتبہ شہادت پر فائز فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَ ذَکَرِنَا وَ اُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھُمْ ـــــ

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَعَافِھِمْ وَاعْفُ عَنْھُمْ وَاَکْرِمْ نُزُلَھُمْ وَ وَسِّعْ مُدْخَلَھُمْ وَاغْسِلْھُمْ بِالْمَاءِ وَ الثَّلْجِ وَ الْبَرَدِ وَنَقِّھِمْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْھُمْ دِیَارًا خَیْرًا مِّنْ دِیَارِھِمْ وَاَھَالِیَ خَیْرًا مِّنْ اَھَالِیْھِمْ وَاَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْ اَزْوَاجِھِمْ وَاَدْخِلْھُمُ الْجَنَّۃَ وَقِھِمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ: آمین یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ!

قیّمِ تنظیمِ اسلامی محترم قاضی عبدالقادر کے بڑے نوجوان فرزند عزیزم میاں اسامہ سلّمہ، نہایت صالح نوجوان ہیں تبلیغی جماعت سے ان کو عشق کی حد تک لگاؤ ہے۔ وہ چند دنوں سے علیل ہیں ـــــ مزید یہ کہ چند دنوں سے راقم کے بڑے بھائی صاحب بھی بسترِ علالت پر ہیں۔ قارئین کرام سے ان دونوں کے لئے شفا اور صحت کی دعا کی درخواست ہے۔

اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُکَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا ؕ اَللّٰھُمَّ اشْفِ مَرْضَانَا ؕ نَسْاَلُ اللہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَّشْفِیَھُمَا وَکُلَّ مَرْضَانَا ؕ آمین!

ان سطور کے ناکارہ راقم کی یہ انتہائی خوش بختی تھی کہ وہ تقریباً ساڑھے چھ سال سے ماہنامہ 'میثاق' جیسے دقیع ماہنامہ کے ادارۂ تحریر سے وابستہ تھا۔ اسی مقصد کے لئے اس کی کراچی سے لاہور آمد و رفت رہتی تھی۔ لیکن چند ذاتی اور نجی مجبوریوں کی وجہ سے راقم کے لئے آئندہ لاہور کی آمد و رفت کا سلسلہ قائم نہیں رہے گا۔ جس کی امیر محترم نے اجازت مرحمت فرمادی ہے اور راقم کو یہ ذمہ داری تفویض کی ہے کہ راقم کراچی ہی سے تفویض کردہ ذمہ داریاں ادا کرنے کی امکان بھر کوشش کرے یعنی امیر محترم کی تقاریر اور دروس قرآن کیسٹ سے منتقل کر کے اور دیگر ضروری تحریری کام انجام دے کر لاہور روانہ کرتا رہے۔ قارئین کرام خاص طور پر رفقائے تنظیم اسلامی سے درخواست ہے کہ وہ راقم کے حق میں دعا کریں کہ یہ ذمہ داری نبھانے کی مجھے بارگاہ رب العزت سے توفیق کی ارزانی ہو ـــــ اس ضمن میں قارئین کرام سے گذارش ہے کہ 'میثاق' کے انتظامی امور مثلاً پرچہ نہ ملنے کی شکایت، سالانہ معاونت کے مسائل وغیرہ وغیرہ سے متعلق تو ناظم صاحب ماہنامہ 'میثاق' کو ایڈریس کیا کریں۔ البتہ اپنے مضامین، یا شائع شدہ مضامین کے حسن و قبح پر اپنی رائے اور مشورے الغرض ادارتی امور کے بارے میں خاکسار کو فلیٹ ۲۴/۲ جاپان مینشن نمبر ۲۔ پریڈی اسٹریٹ کراچی ۳۔ کے پتے پر یاد فرمایا کریں۔ جَزَاکُمُ اللّٰہ خَیْرًا ـــ!

عن عبداللہ بن عمرؓ۔ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

## السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ

عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ

# الھُدیٰ (تیسری نشست)

## لوازم نجات: سورۃ العصر کی روشنی میں

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ درس

از: ڈاکٹر اسرار احمد

(۳)

السلام علیکم ۔ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ، اما بعد
فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم
وَالْعَصْرِ ۙ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۙ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَ
عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ
صدق اللہ مولانا العظیم

رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من
لسانی یفقھوا قولی ۔ آمین یا رب العلمین ،

ناظرین وسامعین کرام ومعزز حاضرین! ۔ ہماری گذشتہ نشست کا اختتام اس بات پر ہوا تھا کہ سورۃ العصر کی پہلی دو آیات کے نتیجے میں ایک گونہ نااُمیدی اور مایوسی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے ۔ یعنی " زمانہ گواہ ہے کہ تمام انسان خسارے میں ہیں" وَالْعَصْرِ ۙ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۔ اس ضمن میں فطری طور پر ایک سوال سامنے آتا ہے کہ اس عمومی خسارے سے بچاؤ کی کوئی صورت ہے یا نہیں ۔ ! اس سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ بھی ہے یا نہیں ۔ ! قرآن حکیم اسی سورہ مبارکہ میں ہمیں بتاتا ہے کہ ایک راستہ ہے ۔ اس راستہ

کو وہ الصراط المستقیم کا نام بھی دیتا ہے، اُسے وہ السواء السبیل بھی کہتا ہے، کہیں وہ اس کو الصراط السّوی، اور کہیں القصد السبیل بھی قرار دیتا ہے ۔ قرآنِ حکیم میں مختلف الفاظ میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا کہ ایک راستہ ہے، جس پر چل کر انسان فوز و فلاح اور کامرانی و کامیابی سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔ سورۃ العصر کی تیسری آیت میں اس راستے کے چند مقامات کا ذکر ہے جنہیں مَیں نے پہلے درس میں ایک نسخے کے چار اجزا سے تشبیہ دی تھی۔ ان پر جب ہم بطریق تدبر غور کریں گے تو یہ بات سامنے آئے گی کہ وہ اسی راستے کے سنگ ہائے میل ہیں۔ باہم لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ایک شخص کسی راستے پر چل رہا ہو تو پہلے ایک مقام آئے گا۔ آگے بڑھے گا تو دوسرا مقام آئے گا۔ کچھ اور آگے بڑھے گا تو تیسرا مقام آئے گا اور آگے بڑھے گا تو چوتھا مقام آئے گا۔ تو الصراط المستقیم کے چار مقامات ہیں۔ (۱) ایمان (۲) عمل صالح (۳) تواصی بالحق اور (۴) تواصی بالصبر ۔ ان چاروں کے مابین جو منطقی ربط ہے، پہلے اُسے ایک بڑی سادہ مثال سے سمجھئے۔

ہمیں اپنی زندگی میں جن عام معاملات سے سابقہ پیش آتا رہتا ہے، اس میں اگر کوئی ایسا معاملہ درپیش آجائے جس میں کوئی نزاع ہے، کوئی جھگڑا ہے، اور اس میں اگر آپ کو حکم تسلیم کر لیا جائے تو عقلِ عام کی رو سے، فطرت کے تقاضے کی رُو سے جو پہلی چیز آپ پر لازم ہوگی، وہ یہ ہے کہ آپ پوری کوشش کر کے اصل حقیقت کو معلوم کریں۔ اس معاملہ کی تہہ تک پہنچیں۔ دوسری چیز اُسی Common Sense کے تقاضے کے طور پر آپ پر لازم ہوگی کہ جو حقیقت آپ کے سامنے آئے، وہ خواہ آپ کو پسند ہو یا نہ ہو، آپ اُسے قبول کریں ۔ پھر اگر انسان کے پاس سیرت و کردار کی پونجی ہے تو تیسرا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس حقیقت کا آپ اعلان کریں ۔ یہ دیکھے بغیر کہ یہ اعلان کسی کو پسند ہوگا یا ناپسند ۔ کسی کو اچھا لگے گا یا بُرا لگے گا۔ جو حقیقت آپ پر منکشف ہوئی ہے اس کا اعلان از روئے عقل و فطرت اور از روئے عدل و انصاف آپ پر

واجب ہے۔ اگر کسی خوف سے دب کر یا کسی لالچ کے زیرِ اثر اس حقیقت کا اعتراف و اعلان انسان نہیں کرتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم فیصلہ کریں گے کہ اس شخص میں سیرت و کردار کی کوئی قوت موجود نہیں — وہ ایک بودا انسان، کمزور انسان، اور بزدل انسان ہے — چوتھی اور آخری بات یہ ہے کہ اگر اس حقیقت کے اعتراف و اعلان پر کوئی تکلیف آئے، کسی RESENTMENT اور کسی مخالفت و مزاحمت کا مقابلہ و مواجہہ کرنا پڑے۔ کسی تشدد اور PERSECUTION کو جھیلنا پڑے تو انسان کی سیرت و کردار کا اصل امتحان اور TEST یہی ہوگا اگر وہ ثابت قدم رہتا ہے، جھیلتا اور برداشت کرتا ہے، تب ہی وہ ایک صاحبِ کردار انسان شمار ہوگا۔ اس کے برعکس معاملہ ہو تو عقل عام کا فیصلہ یہ ہوگا کہ یہ بودا انسان، ٹھڑدلا انسان، کم ہمت اور بزدل انسان، سیرت و کردار سے عاری اور تہی دست انسان ہے۔

اب ان چیزوں کو ذہن میں رکھیے اور غور کیجئے کہ انسان کی نگاہوں کے سامنے یہ عریض و بسیط جو کائنات پھیلی ہوئی ہے اور انسان جب شعور کی آنکھ کھولتا ہے تو اس کے سامنے سب سے پہلا مسئلہ یہ آتا ہے کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے۔؟ میں کون ہوں؟ میری زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ اس کائنات کی ابتداء اور انتہا کیا ہے۔؟ اس کا مبدأ و معاد کیا ہے۔؟ رہنمائی کہاں سے اخذ کروں۔؟ آیا صرف میرے حواس ہی میری رہنمائی کا واحد ذریعہ ہیں! یا اس سے بالاتر عقل و شعور اور فکر و ادراک کی کوئی صلاحیت بھی میرے اندر ہے۔!! اور آیا میں صرف عقل ہی سے رہنمائی اخذ کروں گا یا اس سے بالاتر بھی۔ GUIDANCE اور ہدایت و رہنمائی کا کوئی ذریعہ (SOURCE) ہے۔؟ خیر کیا ہے؟ شر کیا ہے؟ — یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جو ہر انسان کے سامنے آتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ انسان عقل و شعور کے اعتبار سے بالغ ہو — چنانچہ آپ کو علم ہوگا کہ یہی سوالات ہیں جن سے دنیا کے ہر خطہ اور ہر دور میں فلاسفہ اور حکماء GRAPPLE کرتے رہے ہیں، غلطاں و پیچاں رہے ہیں۔ انہی سوالات کو حل

کرنے اور انہی گتھیوں کو سلجھانے کی تگ و دو میں انہوں نے اپنی پوری پوری زندگیاں کھپا دی ہیں۔ ان سوالات کا ایک جواب وہ ہے جو بعض انسان اس دعوے کے ساتھ دیتے رہے ہیں کہ ہم تمہیں جو جواب دے رہے ہیں، وہ ہمارے اپنے فکر اور ہماری اپنی سوچ کا نتیجہ نہیں ہے۔ ہمارے ظن و تخمین کا نتیجہ نہیں ہے۔ ہماری اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانے کا نتیجہ نہیں ہے۔ یہ ہمارا خانہ زاد اور طبع زاد نہیں ہے۔ بلکہ ایک اعلیٰ ترین اور معتبر ترین ذریعہ علم اور SUPERIOR SOURCE OF GUIDANCE ہے جس سے ہمیں یہ علم ملا ہے۔ اس کائنات کے خالق و مالک نے ہمیں ان سوالات کے بذریعہ وحی جوابات دیئے ہیں، جو قطعی اور حتمی ہیں، جن میں ظن و تخمین اور شک و شبہ کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یہ ہیں، وہ حضراتِ گرامی، جن کو ہم انبیاء کہتے ہیں۔ اور رُسل کے نام سے جانتے ہیں۔ فلاسفہ اور حکماء کے جواب میں آپ کو معلوم ہے کہ کہیں یقین کی کیفیت نہیں ہوتی وہ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہماری عقل "یہ" کہتی ہے۔ ہماری سمجھ میں "یوں" آیا ہے۔ ہمیں "ایسے" لگتا ہے۔ جبکہ انبیاء و رُسل کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ ہم جو کہہ رہے ہیں، وہ "الحق" ہے۔ لَارَیْبَ فِیْہِ۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ان لوگوں کی باتوں کو مان لینے کا نام اصطلاح میں **ایمان** ہے۔ انہوں نے جو حقائق بتائے، مابعد الطبیعیات کا جو حل انہوں نے پیش کیا، ان کی تصدیق اور ان کے اعتماد و اعتبار پر ان باتوں کو تسلیم کر لینے کا نام ہے۔

از روئے قرآن مجید یہ ایمان انسان کی کامیابی کی پہلی منزل ہے۔ یہ شرطِ اوّل ہے۔ یہ وہ پہلا قدم ہے، جس کے بارے میں ایک فارسی شاعر کہتا ہے کہ ؎

شرطِ اوّل قدم این است کہ مجنوں باشی۔ اس کے بغیر آگے چلنے کا کوئی امکان نہیں۔ البتہ اس موقع پر یہ جان لیجئے کہ اس ایمان کے دو درجے ہیں۔ اس میں ایک تصدیق ہے زبانی اور لفظی۔ اور ایک تصدیق ہے قلبی۔ یہیں سے اب ہماری بات آگے چلے گی۔

ایمان جب تک صرف نوکِ زبان پر ہے تو اس کا امکان ہوگا کہ انسان کے کردار میں اس کے اثرات ظاہر نہ ہوں۔ قول و فعل کا تضاد تو ہمیں اپنے معاشرے میں عام نظر آتا ہے، یہ عام مشاہدے کی چیز ہے۔ پس جب تک ایمان صرف نوکِ زبان پر ہے، انسان کے عملی رویّہ میں ہو سکتا ہے کہ اس اقرار کے مخالف چیزیں نظر آئیں — لیکن جب یہ ایمان قلب کی گہرائیوں میں اُتر جاتا ہے۔ جب یہ تصدیق بالقلب کی شکل اختیار کرتا ہے۔ تو اب اس کا کوئی امکان نہیں کہ انسان کے عمل میں، اس کے کردار میں، اس کی روش میں، اس کے معاملات میں اور اس کے رویّہ میں اس کے اثرات ظاہر نہ ہوں — چنانچہ یہ ہے وہ حقیقت جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی وضاحت سے اکثر احادیث میں بیان فرمایا ہے جو میں آگے پیش کروں گا۔ یہاں یہ پیشِ نظر رہے کہ پہلا زبانی اقرار والا ایمان، قانونی ایمان ہے۔ جس کی بنیاد پر اس دنیا میں ہم کسی کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اس میں سارا دارومدار اقرار باللسان پر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کسی کے قلب کی گہرائیوں میں اُتر کر ہم نہیں دیکھ سکتے کہ ایمان ہے یا نہیں۔ لیکن اصل ایمان، دل کی گہرائیوں میں جاگزیں اور راسخ ہو جانے والا ایمان ہے۔ جیسے سورہ حجرات میں فرمایا: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۔ "مگر اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے لیے دل پسند بنا دیا۔" آگے اسی سورۂ حجرات میں فرمایا: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۔ "یہ بدو کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ اے نبیؐ! ان سے کہہ دیجئے کہ تم ابھی ایمان نہیں لائے ہو۔ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے۔ ہم نے اسلام قبول کر لیا۔ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔" ایمان جب فی الواقع دل میں جاگزیں اور راسخ ہو جائے گا تو دنیا بدل جائے گی۔ جیسے علامہ اقبال نے کہا ؎

چوں بجاں در رفت جاں دگر شود  جاں چوں دگر شد جہاں دگر شود

اب ایسے شخص کو ایک بدلا ہُوا انسان ہونا چاہیئے

یہ ہے حقیقی ایمان کا عملِ صالح سے تعلق ــــ اس تعلق کی تفہیم کے لیے میں چند احادیث پیش کرتا ہوں۔ پہلی حدیث کے راوی ہیں، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اسے امام بیہقی شعب الایمان میں لائے ہیں۔ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ: قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ: لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ۔

"شاذ ہی ایسا ہُوا ہوگا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا ہو اور اس میں یہ بات آپؐ نے نہ فرمائی ہو کہ جس شخص میں امانت داری کا وصف نہیں ہے، اس کا کوئی ایمان نہیں اور جس شخص میں پاسِ عہد نہیں ہے، اس کا کوئی دین نہیں ہے۔" اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضؓ روایت کرتے ہیں اور یہ روایت متفق علیہ ہے یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے۔ ذرا توجّہ سے سنیے۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ روایت کرتے ہیں کہ "نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تین مرتبہ قسم کھائی: وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ۔ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ۔ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ۔" "اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہے۔ اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہے۔ اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہے۔" آپ خود غور کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام رضؓ کس طرح لرز اٹھے ہوں گے کہ کون ہے وہ بدبخت انسان جس کے بارے میں حضورؐ تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر اس کے ایمان کی نفی فرما رہے ہیں! تو ڈرتے ڈرتے پوچھا گیا: قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ "اے اللہ کے رسولؐ آپ کس کے بارے میں ارشاد فرما رہے ہیں؟" اس حضورؐ نے جواب میں فرمایا: اَلَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ۔ "وہ شخص کہ جس کی ایذا رسانی سے اس کا پڑوسی امن میں نہیں ہے" یہ ہے تعلق ایمان کا عملِ صالح سے۔ یہ لازم و ملزوم ہیں۔ قانونی سطح پر یہ دو علیحدہ علیحدہ مدارج (Entities) ہیں۔

لیکن حقیقت کی سطح پر یہ دونوں ایک وحدت ہیں۔ ان کے مابین چولی اور دامن کا تعلق ہے۔

غور فرمایئے کہ آں حضورؐ نے کس قدر تاکید کے ساتھ اس شخص کے ایمان کی نفیٔ کلّی کا اعلان فرمایا ہے جس کی ایذا رسانیوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔ یہ وہ بات ہے جس کو ہم زیادہ سے زیادہ بداخلاقی پر محمول کرتے ہیں۔ یہ گناہ کبیرہ میں سے نہیں۔ شرک، قتلِ ناحق، زنا، سود خوری، چوری اور ڈاکے جیسے گناہوں میں سے نہیں بلکہ ایک معاشرتی اور اخلاقی برائی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا عمل صالح سے کتنا گہرا ربط و تعلق ہے۔ ایک اور حدیث سُن لیجئے۔ اس کے راوی بھی حضرت ابوہریرہ رضؓ ہیں اور یہ روایت بھی متفق علیہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ روایت کرتے ہیں کہ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "لَا یَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِی وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ۔" یعنی کوئی بدکار حالتِ ایمان میں بدکاری نہیں کرتا اور نہ کوئی چور حالتِ ایمان میں چوری کرتا ہے اور نہ کوئی شرابی حالتِ ایمان میں شراب نوشی کرتا ہے۔" گویا ان گناہوں کا صدور ہوتا ہی اس وقت ہے جب کسی سبب سے حقیقی ایمان دل سے زائل ہو جاتا ہے۔ اس دنیا کے لحاظ سے قانوناً وہ مسلم و مومن ہی شمار ہوگا۔ اس کی تکفیر نہیں ہوگی۔ لیکن ایسا شخص حقیقی ایمان کی دولت سے محروم ہو جائے گا اور وہ اسے تب نصیب ہوگا جب وہ شعوری طور پر توبہ کرلے۔ پس معلوم ہُوا کہ ایمان اور عملِ صالح کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں بلکہ صحیح و درست عمل اور عمدہ اخلاق اور اعلیٰ کردار ایمانِ حقیقی کا لازمی جزو ہیں۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید کا مستقل اسلوب یہ ہے کہ ایمان کے بعد اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر عملِ صالح کا ذکر ضرور ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ سورۃ العصر میں ایمان کے بعد نجات، فوز و فلاح حاصل کرنے اور خسران

سے بچنے کی دوسری شرط کے طور پر عمل صالح کا ذکر کر دیا گیا۔ اس طرح آخرت کی کامیابی و کامرانی کے صراطِ مستقیم کے اب تک دو سنگ ہائے میل سورۃ العصر کے مطالعے سے ہمارے سامنے آئے۔ پہلا ایمان اور دوسرا عمل صالح۔

اب آگے چلیے۔ جب عملِ صالح ایک انسان کی شخصیت اور اس کی سیرت میں پختگی کو پہنچتا ہے تو اس کا ایک منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اس سے آس پاس کے ماحول میں نفوذ کرتا ہے۔ اگر انسان میں نیکی ہے اور فی الواقع ہے۔ وہ صرف ملمّع نہیں ہے بلکہ حقیقتاً نیکی ہے تو ممکن نہیں ہے کہ نیکی ماحول میں سرایت نہ کرے۔ اگر آگ، آگ ہے، صرف آگ کی صورت نہیں ہے۔ ممکن نہیں ہے کہ حرارت ماحول میں اس سے نفوذ نہ کرے۔ یہیں سے منطقی تعلق عمل صالح کا وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ سے قائم ہوتا ہے۔ میں نے ایک تو طبعی قانون بیان کر دیا۔ لیکن میں چاہوں گا کہ اس ضمن میں دو چیزوں کا آپ اور اضافہ کر لیں۔ پہلی یہ کہ انسان میں اگر شرافت و مروّت کی کوئی رمق موجود ہے تو عقل اور فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ جو چیز اُسے ملی ہے، جو بھلائی اُسے میسّر آئی ہے۔ وہ اس میں دوسروں کو بھی شریک کرے۔ اچھی بات آپ کے علم میں آئی، کوئی خیر آپ کو ملا، اور آپ نے اُسے اپنی ذات تک محدود رکھا تو یہ بڑی خود غرضی ہوگی۔ شرافت و مروّت اور انسان دوستی مقتضی ہوگی کہ آپ اُسے پھیلائیں، اُسے عام کریں۔ لوگوں کو اس میں شریک کریں۔ یہی وہ بات ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں آئی ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں:

لا یؤمن احدکم۔ تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوگا۔ حتّٰی یُحبّ لاخیہ مایحب لنفسہ۔ جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہیں کرتا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ تو اگر خیر، بھلائی اور نیکی فکر کی یا عمل کی کسی انسان کو میسّر آئی ہو تو اس میں اپنے بھائیوں کو، اپنے عزیزوں کو، ابنائے نوع کو شریک کرے یہ شرافت اور مروّت کا تقاضا ہے۔ اس سے آگے بڑھیئے ایک شے اور بھی ہے جس کا نام حمیّت و غیرت ہے۔ اگر حق آپ پر منکشف ہوا تو اس

حق کی غیرت و حمیت کا تقاضا یہ ہوگا کہ آپ اس حق کا پرچار کریں۔ اس حق کا بول بالا کریں۔ اس کے لیے جان کی بازی بھی لگانی پڑے تو اس سے دریغ نہ کریں۔ سقراط کا معاملہ ذہن میں رکھیے۔ کچھ حقائق اس پر منکشف ہوئے۔ اس نے ان کا پرچار شروع کیا۔ وقت کے معاشرے نے سقراط کی دعوت کو اپنے لیے خطرہ محسوس کیا۔ اقتدارِ وقت نے سقراط کے سامنے دو متبادل طریقے ( Alternatives ) رکھ دیئے۔ یا ان باتوں کا پرچار روک دو، اس کام سے باز آجاؤ اور یا یہ زہر کا پیالہ ہے جو تمہیں پینا پڑے گا۔ سقراط کا فیصلہ یہ تھا کہ انسان کا اس حالت میں زندہ رہنا کہ جو حق اس پر منکشف ہوا ہے وہ اسے بیان نہ کر سکے، اس سے بہتر یہ ہے کہ وہ زہر کا پیالہ پی کر اپنی زندگی قربان کر دے۔ چونکہ کوئی تیسرا
موجود ہی نہ تھا۔ پس غیرت و حمیت کا تقاضا یہی ہے کہ جو سچائی آپ پر منکشف ہوئی ہو اس کا آپ واشگاف اعلان کریں ـــ یہ ہے ربط و تعلق عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے بعد وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ کا ـــ " اور وہ باہم ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے "۔ پس صراطِ مستقیم کا یہ تیسرا سنگِ میل ہے۔

ہمارے دین میں غیرتِ حق اور حمیتِ دینی کا کیا مقام ہے! اُسے ایک حدیث سے سمجھیے جس کو امام بیہقیؒ "شعب الایمان" میں لائے ہیں اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے جو خطباتِ جمعہ تالیف کیے ہیں، ان میں مولانا رح نے اس حدیث کو تقریباً ہر خطبے میں شامل کیا ہے ـــ گوشِ ہوش سے حدیث سُنیے۔ بڑی لرزا دینے والی حدیث ہے: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰى جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا "اللہ تعالیٰ عزّ وجل نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ فلاں اور فلاں بستی کو اس کے رہنے والوں پر پلٹ دو" قَالَ فَقَالَ: "يَارَبِّ اِنَّ فِيْهَا عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ"۔ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر حضرت جبرئیلؑ نے بارگاہ

ربّ العزت میں عرض کیا: "اے میرے ربّ! اس بستی میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے، جس نے آنکھ جھپکنے کی مدّت کے برابر بھی کوئی لمحہ تیری معصیت میں بسر نہیں کیا۔" اب جگر تھام کر بارگاہِ خداوندی کا فیصلہ سُنیے: قَالَ فَقَالَ: "اَقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ" رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اس بستی کو پہلے اس پر اُلٹو پھر دوسروں پر، اس لیے کہ اس شخص کا چہرہ ہمارے دین کی پامالی دیکھ کر اس کی غیرت و حمیّت میں اس کے چہرے کا رنگ ایک دفعہ بھی متغیّر نہیں ہُوا۔" مَیں جب بھی یہ حدیث سُناتا ہوں خود مجھ پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ مَیں کہا کرتا ہوں کہ غور کیجیے کہ گواہی دینے والے کون! حضرت جبرئیل علیہ السّلام، جن کی امانت و صداقت کی خود اللہ تعالےٰ نے قرآنِ حکیم میں گواہی دی ہے: ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝ اور گواہی اس ہستی کے حضور میں دی جا رہی ہے، جس کی شان یہ ہے کہ: لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ ۔ لیکن انفرادی طور پر نیک ہونا اس شخص کے کام نہ آیا۔ چونکہ اس نے تواصی بالحق کی ذمہ داری ادا کرنے میں غفلت اور بے پروائی اختیار کی تھی۔ اس حدیث سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اخروی فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کی تیسری شرط لازم تواصی بالحق ہے۔

اب آخری شرط کا بیان رہ گیا۔ یہ بات تو بہت ہی سادہ ہے۔ ایک عام کہاوت ہے: اَلْحَقُّ مُرٌّ ۔ حق کڑوا ہوتا ہے۔ سچّی بات سننا تو لوگوں کو پسند نہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی سچائی کا بھی اگر آپ اعلان کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ کسی کو وہ بُری لگے اور آپ کو اس کی طرف سے آزردگی (Resentment) اور انتقامی کارروائی (Retaliation) کا سامنا کرنا پڑے۔ اگر یہاں "حق" محدود معنی میں نہ ہو بلکہ اپنے جامع اور گمبیر معنی میں ہو جیسا کہ فی الواقع ہے۔ اس

کائنات کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ اس کا مالکِ حقیقی اللہ ہے۔ یہ زمین اللہ کی ہے اس پر اسی کا حکم چلنا چاہیئے۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ کوئی اور — کسے باشد، وہ کوئی شخص واحد ہو یا کوئی قوم ہو یا پوری نوعِ انسانی بحیثیتِ مجموعی ہو، اس مالکِ حقیقی کے حکم کو پس پشت ڈال کر اگر اپنی مرضی چلائے تو وہ باغی ہے۔ ایسے تمام لوگ مفسدین شمار ہوں گے۔ ان کے خلاف حق کا پرچار کرنا، حق کا بول بالا کرنے کے لیے سعی و جہد کرنا ہر اُس شخص پر لازم، واجب اور فرض ہے جو مدعی ایمان ہو۔ اگر ایسا انسان اس مقصد کے لیے کھڑا ہو جائے تو ظاہر بات ہے کہ اب "صبر" کا مرحلہ شروع ہوگا۔ جھیلنے اور برداشت کرنے کی راہ سے سابقہ پیش آئے گا۔ یہاں تک کہ اگر اس راہ میں جان چلی جائے تو اس کے لیے بھی آمادہ اور تیار رہنا ہوگا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ ہے وہ مقام جہاں انسان کی سیرت اور اس کے کردار کا اصل امتحان ہوتا ہے۔ یہ اصل ہے۔ اس کا نام ہے تواصی بالصبر۔ ایسے لوگ خود بھی صبر کا دامن تھامے رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کو بھی صبر کی روش پر جم جانے کی تاکید و نصیحت کرتے ہیں۔

یہ ہیں وہ چار چیزیں۔ نجات کی ناگزیر شرائط۔ فوز و فلاح کے ناگزیر لوازم۔ یہ صراطِ مستقیم کا چوتھا سنگِ میل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ معمولی سطح پر بھی جو صحیح بات سامنے آجائے تو عقل و فطرتِ سلیمہ کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اس راستے پر چلیں — پہلے حقیقت کی تلاش۔ پھر اس حقیقت کو خود قبول کرنا۔ پھر اس حقیقت کا اعلان، اس کا پرچار۔ پھر اس اعلان میں جو تکلیف بھی آئے، اس کو جھیلنا۔ یہی معاملہ ایک بہت بڑی سطح پر، انسانی زندگی کے تمام معاملات کے بارے میں، اس کائنات کے تمام حقائق کو سمو کر جب یہ چار چیزیں آئیں گی تو ان کا اصطلاحی نام ہوگا ایمان، عملِ صالح۔ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کے مضامین کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہی چار مضامین

آپ کو ملیں گے۔ ان ہی کی تفصیلات و تشریحات ملیں گی۔ قرآن مجید میں یا ایمان کے تفصیلی مباحث ہیں، یا اعمال صالحہ کی تفصیلی بحثیں ہیں یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جہاد و قتال فی سبیل اللہ، شہادتِ حق علی الناس، دعوتِ حق اور صبر و مصابرت کی بحثیں ہیں۔ ایک پانچویں چیز آپ کو قرآن حکیم میں امم سابقہ اور سابق انبیاء و رسل کے واقعات و حالات سے متعلق ملے گی۔ اس کی طرف اسی سورہ مبارکہ "والعصر" میں اشارہ موجود ہے۔ اس اعتبار سے میں یہ عرض کیا کرتا ہوں اور پہلی نشست میں عرض کر بھی چکا ہوں اور یہ حقیقت اس وقت آپ پر پوری طرح منکشف بھی ہو چکی ہوگی کہ سورہ العصر کی حیثیت اُس بیج کی سی ہے جس میں بالقوہ پورا درخت پنہاں ہوتا ہے۔ آم کی گٹھلی میں Potentially پورا آم کا درخت موجود ہے بالکل اسی طرح سورۃ العصر میں قرآن حکیم کی تمام تعلیمات کو سمو دیا گیا ہے۔ اور یہی اس سورہ مبارکہ کا وہ اصل مقام ہے جس کے اعتبار سے میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کا وہ حکیمانہ قول آپ کو سنایا تھا کہ: لَوْ تَدَبَّرَ النَّاسُ هٰذِهِ السُّوْرَةَ لَوَسِعَتْهُمْ۔ "اگر لوگ صرف اس ایک سورت پر تدبر کریں، غور و فکر کریں تو یہ ان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے کافی ہو جائے گی۔"

اب اس ضمن میں آج کی اس نشست کے شرکاء میں سے اگر کوئی صاحب کوئی مزید وضاحت طلب کرنا چاہیں تو میں حاضر ہوں۔

سوال: ڈاکٹر صاحب، آپ نے پچھلے دروس میں اور اس درس میں سورۃ العصر کی بڑی اہمیت اور شان بیان کی ہے۔ اس کو آپ نے قرآن مجید کی جامع ترین سورت بھی قرار دیا ہے۔ ذہن میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ جب ہم کسی سورۃ کی شان یا اہمیت بیان کرتے ہیں، تو کیا اس سے دوسری سورتوں کی اہمیت تو کم نہیں ہوتی۔؟

جواب: آپ نے بہت اچھا سوال کیا، اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہُوا ہو تو اس کی بھی تصحیح ہو جائے گی۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ قرآن مجید میں مختلف مقامات، مختلف سورتوں یا مختلف آیتوں کی مختلف اعتبارات سے عظمت

اور اہمیت ہے۔ مثلاً عقیدہ توحید کے بیان میں سورۃ الاخلاص گویا کہ چوٹی پر ہے نبی اکرمؐ نے اسے ثلثِ قرآن کے مساوی قرار دیا۔ ایمانیاتِ ثلاثہ میں سے توحید پر ایمان ہی چوٹی والا اور اساسی ایمان ہے۔ اسی پر دوسرے ایمانیات Base کرتے ہیں۔ پھر توحید ہی کے موضوع پر آیت الکرسی بہت اہم ہے۔ اس کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ یہ قرآن کی تمام آیات کی سردار ہے۔ حضورؐ نے سورہ یٰسٓ کو قرآن کا دل اور سورہ رحمٰن کو قرآن کی دلہن فرمایا۔ تو ع

ہر گلِ را رنگ و بوئے دیگر است

قرآن حکیم کی سورتوں پر یہ حقیقت پورے طور پر منطبق ہوتی ہے۔ کوئی آیت، کوئی سورت کسی خاص پہلو سے عظیم ترین ہوگی۔ دوسری آیات، دوسری سورتیں دوسرے اعتبارات سے عظیم ترین ہوں گی۔ لہٰذا ایک کی عظمت کے بیان میں دوسری کی تنقیص کا لازماً نتیجہ نہیں نکلتا۔

سوال: میں نے سنا ہے کہ سورۃ العصر کو بعض لوگ مکی اور بعض لوگ مدنی کہتے ہیں۔ یہ کیسے پتہ چلتا ہے کہ کونسی سورت مکی ہے اور کونسی مدنی۔ اور یہ سورت مکی ہے یا مدنی۔؟

جواب: سورۃ العصر کے بارے میں تو میرے علم کی حد تک اجماع ہے کہ یہ مکی سورت ہے۔ لیکن بعض سورتوں اور آیتوں کے متعلق اس نوع کا اختلاف پایا جاتا ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اصل چیز اس کا TEXT ہے۔ آپ نے جو مفہوم اخذ کرنا ہے وہ اس کے متن (TEXT) سے کرنا ہے۔ اور اس سورہ العصر کے بارے میں پہلے بھی میں عرض کر چکا ہوں کہ اس سورہ میں کوئی واقعہ زیرِ گفتگو نہیں آیا۔ بلکہ اس میں ایک عالمگیر سچائی (Universal Truth) بیان کی گئی ہے لہٰذا یہ مکی ہو یا مدنی اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

حضرات! ہم نے سورہ العصر پر تین نشستوں میں کافی گفتگو کر لی ہے۔ اگرچہ یہ سورۂ مبارکہ اتنی Profound غامض، عمیق اور بصیرت افروز ہے کہ اس طرح کی دس اور نشستیں بھی ہوں تب بھی ہم سیری محسوس نہیں کریں گے کہ

ہم نے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ تاہم جیسا کہ مَیں نے پہلے دن عرض کیا تھا کہ اس سورہ مبارکہ کا جو اصل حاصل ہے، اس کا جو لبِ لباب ہے۔ اس کا جو اصل سبق ہے۔ اس کی جو اصل رہنمائی ہے وہ ہمیں آخری آیت سے حاصل ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم جان لیں کہ از روئے قرآن مجید کامیابی و کامرانی اور فوز و فلاح چار شرائط سے مشروط ہے (۱) ایمان (۲) عملِ صالح (۳) تواصی بالحق (۴) تواصی بالصبر۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن لوگوں میں شامل فرمائے جو ان چاروں شرطوں کو پُورا کرنے والے ہوں۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# معراج النبیؐ

## علیٰ صاحبہ الصّلوٰۃ والسّلام

## ڈاکٹر اسرار احمد

### کا ایک خطاب

ترتیب و تسوید: جمیل الرحمٰن

---

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

فقال اللہ تبارک و تعالیٰ فی سورۃ بنی اسرائیل

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (آیت - ۱)

وَقَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ فِیْ سُوْرَۃِ النَّجْمِ۔

مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۝ اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی ۝ وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی لا عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی ۝ عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی ط اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی لا مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ۝ (آیات ۱۱ - ۱۸)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمِ۔

رب اشرح لی صدری ویسر لی امری وا حلل

عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی۔ اللّٰھم ربنا الھمنا
رشدنا واعذنا من شرور انفسنا۔ اللھم ربنا
ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل
باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔

حضرات! آج مغرب کے وقت سے ماہِ رجب المرجّب کی ستائیسویں شب کا آغاز ہُوا ہے اور معراج النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں ہمیں جو روایات ملتی ہیں، ان سے اس کی تاریخ اور سن کا جس حد تک بھی تعیّن ممکن ہے تو وہ آں حضورؐ کا باونواں سنِ ولادت ہے۔ یعنی عمر شریف کا باونواں سال۔ ہجرت مدینہ سے لگ بھگ ڈیڑھ سال قبل۔ ماہِ رجب کی ستائیسویں شب کو وہ محیر العقول واقعہ پیش آیا کہ جسے ہم "معراج" کے نام سے جانتے ہیں۔ اس واقعہ کی حقیقت کیا ہے! اس کی اہمیت کیا ہے! اس موضوع پر گفتگو کرنے کے ضمن میں سب سے پہلے ہمیں یہ متعیّن کرنا ہوگا کہ اس واقعہ کے ہم تک پہنچنے کے ذرائع (SOURCES) کیا ہیں! ظاہر بات ہے کہ ہمارے لیے کسی بھی ضمن میں مرجع اوّل اور اوّلین بنیاد قرآن مجید ہے: قرآن حکیم میں واقعہ معراج کا ذکر دو مقامات پر صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں نہ کسی اشارے یا کنائے یا رمز یا ایما کا اسلوب اور انداز ہے اور نہ اس میں کوئی ابہام ہے، نہ کوئی ایہام ہے۔ بلکہ صراحت کے ساتھ واضح الفاظ میں ذکر ہے۔ اس سفرِ مبارک کے دو ہی حصّے ہیں۔ ایک اس کا زمینی حصّہ ہے یعنی مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک۔ اور ایک اس کا آسمانی حصّہ ہے یعنی مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک۔ چنانچہ قرآن مجید میں دو مقامات پر اس واقعہ کے دونوں حصّوں کو جدا جدا بیان کیا گیا۔

پندرہویں پارے کی بھی پہلی آیت ہے اور سورۃ بنی اسرائیل کی بھی پہلی آیت جس میں اس زمینی سفر کا ذکر ہے جس کی میں نے آغاز میں پہلے تلاوت کی تھی۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا "پاک ہے وہ ذات جو لے گئی راتوں رات اپنے بندے کو شب کے ایک حصّے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصا تک" اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ "جس کے ماحول اگرد و پیش کو ہم نے مبارک بنایا" لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا

"تاکہ ہم دکھائیں اسے (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی نشانیوں میں سے نشانیاں۔" اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ" یقیناً سب کچھ سُننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا تو صرف وہ (تبارک و تعالےٰ) ہے۔" جیسا کہ مَیں نے ابھی عرض کیا کہ یہ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت ہے۔ نوٹ فرمالیں کہ اس سورہ مبارکہ کا دوسرا نام سورۃ الاسراء بھی ہے بلکہ عرب ممالک میں جو قرآن مجید طبع ہوتے ہیں ان میں اسے سورہ بنی اسرائیل کے نام سے موسوم نہیں کیا جاتا بلکہ "سورۃ الاسراء" کے نام سے کیا جاتا ہے۔

اس سفرِ مبارک کا جو آسمانی حصّہ ہے، اس کا ذکر سورۃ النجم میں ہے۔ وہ آیات بھی مَیں نے آپ کے سامنے تلاوت کی تھیں۔ ان کا ترجمہ مَیں بعد میں اپنی تقریر کے دوران ہی کروں گا۔ تو جیسا کہ مَیں نے عرض کیا کہ اس واقعہ کے ظہور پذیر ہونے پر مطلع ہونے کا ہمارا مرجعِ اوّل قرآن مجید ہے۔ جس میں صراحت کے ساتھ یہ واقعہ مذکور ہے۔ اس وضاحت سے یہ بات جان لیجئے کہ اس واقعہ کی بنیاد صرف احادیث پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآن مجید میں بصراحت اس کا ذکر ہے لہٰذا اس کا انکار کفر ہوگا۔ اگرچہ توجیہ، تاویل اور اس کی اصل حقیقت کیا تھی! ان اعتبارات سے الفاظِ قرآنی میں جس حد تک گنجائش ہو اس حد تک اگر کوئی اختلاف ہو تو اسے کفر نہیں سمجھا جائے گا۔

اس واقعہ کا مرجعِ ثانی احادیث نبویہؐ ہیں ـــــ ہمارے دین کے یہ دو بنیادی مآخذ ہیں، قرآن و حدیث۔ اسی کو اصطلاحاً کتاب و سنّت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ معروف بات ہے کہ احادیث میں درجہ بندی ہے۔ سند کے اعتبار سے قوی ترین احادیث وہ ہیں جو صحیحین یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں۔ ان میں سے بھی وہ احادیث جو ان دونوں میں موجود ہوں جن کی صحت پر یہ دونوں امام متفق ہو گئے ہوں، وہ اپنی سند کے اعتبار سے قرآن مجید کے آس پاس پہنچ جاتی ہیں۔ اس وضاحت کے بعد یہ بات جان لیجئے کہ اگرچہ ایسی احادیث کی تعداد کثیر ہے جن میں مختلف تفاصیل مذکور ہیں۔ تاہم نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ کم از کم اٹھائیس صحابہ کرام رضؓ ہیں کہ جن سے یہ واقعہ معراج مروی ہے۔

چونکہ ایک ہی روایت کئی کئی صحابہ رضؓ سے مروی ہے اس اعتبار سے روایات کی تعداد تو بڑھ جائے گی لیکن اٹھائیس صحابہؓ ہیں جن سے واقعہ معراج کا ذکر تفصیلاً یا اجمالاً مروی ہے۔ پھر ان میں ایک بڑی مفصل روایت وہ بھی ہے جو متفق علیہ ہے یعنی احادیث کے اس طبقے سے تعلق رکھتی ہے کہ جن کے بارے شک وشبہ کی گنجائش بہت ہی کم رہ جاتی ہے بلکہ صحیح تر بات یہ ہوگی کہ معدوم کے درجے میں آجاتی ہے۔ اس متفق علیہ حدیث میں جو تفاصیل آئی ہیں، انہیں ہمیں من و عن ماننا ہوگا۔

اس تمہید کے بعد پہلے میں یہ عرض کروں گا کہ اس واقعہ کی نوعیت کیا ہے۔ !آیا یہ کوئی منفرد واقعہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا ہے۔!! یا یہ کہ یہ نبوت و رسالت کے مستقل معاملات میں سے ایک معاملہ ہے۔ اور مختلف انبیاء و رسل کے ساتھ بھی یہ معاملہ پیش آیا ہے۔ !! اگر پیش آیا ہے تو اس میں جو فرق و تفاوت ہے وہ آیا نوعیت کا ہے یا کیفیت کا۔ ؟ یہ بات جان لیجئے کہ مکاشفات، مشاہدات، یہ تو نبوت کے جزوِ لاینفک ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء و رسل اس منصب اور خدمت پر مامور ہوتے ہیں کہ اُن امورِ غیبی کی اطلاع دیں جن پر ایمان لانا لوگوں کے لیے ضروری ہے۔ جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات والاصفات ہے۔ جو ذات و صفات کے اعتبارات سے احد ہے، ملائکہ ہیں۔ اسی طریقہ سے جو آئندہ پیش آنے والے واقعات ہیں، جب تک وہ پیش نہ آجائیں وہ پردۂ غیب میں ہیں۔ یوم الآخر، قیامت کا دن۔ ایک امر غیبی ہے۔ بعثِ بعد الموت، حشر و نشر، وزنِ اعمال، جزا و سزا یہ سب امورِ غیبی ہیں۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے جس کے متعلق یا یوں کہہ لیں کہ وہ تو غیب میں ہے یا یوں کہہ لیں کہ ہم اُس سے غیب میں ہیں۔ نتیجتہً کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اس بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس ذاتِ عزّ و جل اور ہمارے مابین غیب کا پردہ حائل ہے۔ یہ وہ چیزیں اور وہ امور ہیں جن پر ایمان لانا لابدّ منہٗ ہے۔ ہدایت کا نقطۂ آغاز ہی یہ ہے کہ ان باتوں کو مانا جائے۔ یہی وجہ ہے، کہ سورہ بقرہ میں ہدایت کے لیے جو شرطِ اوّل بیان کی گئی ہے، وہ یہی ایمان بالغیب ہے۔

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ۔ یہ شرط اوّل ہے۔ اب جو ہستیاں اس خدمت پر مامور ہوئی ہوں کہ وہ ان امورِ غیبیہ پر ایمان کی دعوت دیں، ظاہر ہے کہ انہیں تو ان پر بدرجہ کمال و تمام ایمان و یقین ہونا چاہیئے۔ جب تک وہ ایمان و یقین ان کے اندر اپنے تمام و کمال کو پہنچا ہُوا نہیں ہوگا تو وہ دوسروں تک اس ایمان بالغیب کو کیسے منتقل کریں گے!

اب یہ بھی جان لیجئے ایمان و یقین کے مراتب ہیں۔ ایک یقین وہ ہے جو فکر و نظر اور تعقل و تفکر کے نتیجے میں پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک یقین وہ ہے جو خود ذاتی مشاہدے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سے بھی بلند تر ایک درجہ وہ ہے کہ جو انسان کے ذاتی تجربے اور احساس پر مبنی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ان مدارج کے لیے تین اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین ۔۔۔ علم الیقین یہ ہے کہ آپ نے استنباط کیا، استدلال کیا اور کسی چیز کا علم آپ کو حاصل ہُوا اور آپ کو یقین آگیا۔ عین الیقین یہ ہے کہ آپ نے کسی چیز کو دیکھا اور آپ کو یقین حاصل ہو گیا ۔۔۔ اور حق الیقین کا درجہ ان دونوں سے بلند ہوگا۔ یہ یقین وہ ہوگا جو انسان کے اپنے ذاتی تجربے کا ایک جزو بن جائے۔ میں ایک مثال سے اس کو واضح کروں گا۔ بڑی سادہ سی مثال ہے، شاید آپ نے اُسے سُن رکھا ہو۔ وہ یہ کہ اگر آپ دیکھیں کہ کہیں دھواں ہے تو آپ کو استدلال کے ذریعہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہاں آگ ہے۔ اس لیے کہ آپ کو کلیۃً معلوم ہے کہ دھواں اور آگ لازم و ملزوم ہیں۔ آگ اگرچہ آپ نے نہیں دیکھی۔ آپ نے دھواں ہی دیکھا ہے۔ لیکن اس کو دیکھ کر آپ کو استنباط سے اور استدلال سے آگ کے وجود پر یقین آگیا۔ یہ علم الیقین ہے۔ اب آپ نے قدم بڑھایا۔ بھاگے دوڑے اور آپ وہاں پہنچے جہاں سے دھواں اُٹھ رہا تھا اور آپ نے اپنے سر کی آنکھوں سے آگ کا مشاہدہ کر لیا تو یہ علم الیقین سے بلند تر درجہ ہے اور یہ عین الیقین ہے۔ جسے عربی میں کہا جاتا ہے کہ لیس الخبرُ کالمعاینۃ "کسی کو بتانے سے جو یقین پیدا ہوتا ہے وہ اس درجے کا نہیں ہو سکتا جو دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے

فارسی میں کہتے ہیں کہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ"۔ سُننے سے جو علم حاصل ہو وہ اس کے برابر نہیں ہوتا جو دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کا جو بلند ترین درجہ ہے وہ اصل میں آگ کی اصل حقیقت کا ادراک ہے۔ آپ نے آگ آنکھ سے دیکھ لی۔ لیکن اس وسوسے کا امکان ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ آگ کی سی صورت ہو، حقیقی آگ نہ ہو۔ سورۃ النجم میں جو آیا ہے کہ، مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۔ نظر نے جو دیکھا دل نے اُس کو جھٹلایا نہیں۔" اس میں اسی وسوسے کی طرف اشارہ ہے کہ کسی وقت انسان کسی شے کو دیکھ رہا ہوتا ہے لیکن یقین نہیں آتا کہ میں ٹھیک دیکھ رہا ہوں اور کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ انسان پکار اُٹھتا ہے کہ: آنچہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب ۔؟ اے اللہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں یہ بیداری میں دیکھ رہا ہوں یا کہ خواب میں دیکھ رہا ہوں۔ دیکھ ضرور رہا ہوں لیکن یقین نہیں آ رہا۔ اس وسوسے کا کلیتہً ازالہ اس وقت ہو جائے گا جب وہ آگ آپ کو چھو جائے یا آپ اس آگ کو خود چھو لیں۔ اب یقین ہو جائے گا کہ یہ آگ صورتِ آگ نہیں بلکہ حقیقتِ آگ ہے۔ یہ واقعتاً آگ ہے۔ اس تجربے ہی سے آپ کو صحیح اندازہ ہو گا کہ آگ کہتے کسے ہیں! اگر کبھی انگارے نے آپ کے جسم کے کسی حصہ کو چھوا نہ ہو اور آپ نے ساری عمر آگ صرف دیکھی ہو تو اس کی اصل حقیقت کا علم اور ادراک آپ کو حاصل نہیں ہو سکتا جب تک وہ آگ آپ کے جسم سے کہیں مس نہ ہوئی ہو۔ یہ ہے وہ ذاتی تجربہ جس کی رسائی انسان کے اپنے احساس تک ہو جاتی ہے تو اس کو کہا جائے گا حق الیقین۔

اب ظاہر بات ہے کہ انبیاء و رسل کو جو یقین دوسروں تک منتقل کرنا ہے اس کے لیے ان کا تجربہ، ان کا معائنہ اور ان کا مشاہدہ اگر نہ ہو تو یقین کا وہ درجہ کبھی پیدا نہیں ہو سکتا کہ ان کی شخصیتوں سے یقین متعدی ہو جائے، لوگوں تک پہنچے، پھیلے۔ جیسے اگر آگ کی بھٹی ہو تو اس سے حرارت خود بخود نکلتی ہے اور دوسروں تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ ہے اصل میں وہ سبب جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ عالم ملکوت کے مشاہدات انبیاء و رسل کو کراتا ہے۔ یہ مکاشفات کی شکل میں بھی ہوئے ہیں۔ یہ رؤیا کی شکل میں بھی ہوئے ہیں۔ یہ حالتِ نوم میں بھی ہوئے ہیں اور حالتِ بیداری میں بھی ہوئے ہیں۔ ان دونوں

یعنی نوم و بیداری کی درمیانی کیفیت میں بھی ہوئے ہیں۔ بین النوم والیقظۃ۔ اس میں کچھ چیزوں کو مثل کر کے بھی دکھایا گیا ہے۔ بعض حقائق کا براہِ راست مشاہدہ کرایا گیا ہے۔ جیسے جیسے مراتب ہیں ویسے ویسے ہی ان تجربات و مشاہدات کا معاملہ ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۷۵ میں فرمایا گیا: وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ "اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے رہے" ملکوت السموٰت والارض"۔ اس کائنات کی ہماری خفیہ حکومت کا جو انتظام و انصرام ہے۔ اس کے جو کارندے ہیں، اس کی جو سول سروس ہے یعنی ملائکہ لیکن جو لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہیں۔ ملائکہ تو ہر جگہ ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ ہیں۔ کراماً کاتبین موجود ہیں۔ لیکن وہ مخفی ہیں۔ وہ غیب میں ہیں یا ہم اُن سے غیب میں ہیں۔ اس عالم کا ابراہیمؑ کو مشاہدہ کرایا جاتا رہا ہے۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ حضرتِ ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی اس خفیہ حکومت، اس غیبی حکومت کے رموز و اسرار اور معاملات دکھائے جاتے رہے ہیں۔ اس آیت کا آخری ٹکڑا میری اس گفتگو کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ وہ یہ کہ: وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ "تاکہ وہ (یعنی حضرت ابراہیمؑ) اصحابِ یقین میں سے بن جائے۔" ایمان تو محض خبر کی بنیاد پر بھی ہے لیکن میں نے یقین کا جو بلند ترین درجہ عرض کیا ہے وہ مشاہدے اور ذاتی تجربے کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے۔ اس بلند ترین درجے کا یقین انبیاء و رسل کو دینا مقصود ہوتا ہے لہٰذا انہیں یہ مشاہدات تجربات کرائے جاتے ہیں۔ البتہ جیسے نبوت و رسالت کے سلسلے کی تکمیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر ہوئی ہے، اسی طریقے سے ان مشاہدات کے بارے میں بھی چوٹی کا مشاہدہ اور ذاتی تجربات کے ضمن میں بھی بلند ترین تجربہ وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا۔ جسے ہم معراج کے نام سے جانتے ہیں۔ لیکن نبی اکرمؐ کے بارے میں یہ بات ضرور ذہن میں رکھئے کہ یہ واحد تجربہ نہیں ہے، آپؐ کو بے شمار تجربات ہوئے ہیں۔ آپؐ صلوٰۃ استسقاء پڑھا رہے ہیں اور جنت آپؐ کے سامنے لے آئی گئی۔ اور بے اختیار آپؐ کا ہاتھ اُٹھا اور آگے بڑھا تاکہ

آپ جنت کے کسی درخت کا پھل یا میوہ توڑ لیں۔ یہ ہاتھ کا اُٹھنا اور بڑھنا ایک بے اختیارانہ عمل تھا۔ اس نوع کے عمل میں کسی ارادے کو دخل نہیں ہوتا۔ پھر جہنم سامنے سے آئی گئی اور آپ بے اختیار اس کی حرارت، اس کی گرمی اس کی دہشت سے اچانک پیچھے ہٹے۔ یہ پورا تجربہ نماز میں ہو رہا ہے۔ عالم بیداری میں ہو رہا ہے۔ حضورؐ مجمع میں ہیں، خلوت میں نہیں ہیں، وہاں ہو رہا ہے۔ ہم ان مشاہدات کا احاطہ کر ہی نہیں سکتے جو جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئے۔

اس کے حوالے سے میں چاہتا ہوں کہ معراج کے بارے میں آپ یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ معراج کے ضمن میں جو روایات آتی ہیں، ان میں بہت اختلاف ہے۔ ایک تو ہے مجرد وہ واقعہ وہ تو متفق علیہ ہے۔ ایک اس خاکے میں جو رنگ ہیں، وہ مختلف روایات میں جُدا جُدا ہیں۔ ان میں بھی ایک تو اس نوعیت کی چیزیں ہیں جن میں ہم آہنگی کی جا سکتی ہے اور وہ باہم FIT ہو جاتی ہیں۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک واقعہ آپ نے دیکھا اور وہی واقعہ کسی اور نے بھی دیکھا تو آپ اس کو جس انداز میں بیان کریں گے ہو سکتا ہے کہ دوسرا اس کو کسی اور انداز سے بیان کرے۔ آپ اس واقعہ کی کسی ایک کڑی کو زیادہ تفصیل سے بیان کریں اور شاید دوسرے صاحب اس کو اجمالی طور پر بیان کریں اور کسی دوسری کڑی کو زیادہ تفصیل سے بیان کریں۔ ہر شخص کا ایک اپنا ذوق اور اپنا مزاج ہوتا ہے۔ اسی کے اعتبار سے واقعات کا بیان بھی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذوق کے اعتبار سے کوئی بات آپ کے نزدیک کم اہمیت رکھتی ہے تو آپ اُسے سنیں گے یا دیکھیں گے بھی، لیکن وہ حافظے میں محفوظ نہیں رہے گی۔ ایک دوسری چیز کی طرف آپ کو زیادہ میلان ہے اس کو آپ پوری طرح گرفت میں لائیں گے اُسے CATCH کریں گے اور محفوظ کر لیں گے۔ تو ایک ہی واقعہ بیان کیا جا رہا ہے اُسے دو نے سُنا پانچ نے سُنا تو جب یہ حضرات اس کو بیان کریں گے تو تھوڑا تھوڑا فرق ہو جائے گا لیکن آپ اس فرق کو جوڑ کر ایک وحدت بنا سکتے ہیں۔ لہٰذا روایات میں ایک اختلاف تو اس نوعیت کا ہے جس میں کسی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کہیں یہ ہو گا کہ اس واقعہ کا کوئی درمیانی یا بعد والا حصّہ کوئی شخص پہلے بیان کر دے گا اور اسے

جب یاد آجائے گا تو وہ پہلا حصّہ بعد میں بیان کردے گا۔ یہ تقدیم و تاخیر والی باتیں بھی بالکل سمجھنے میں آنے والی ہیں۔ عقل انسانی ان کو ہم آہنگ (Reconcile) کر سکتی ہے۔

البتہ بعض باتیں ایسی ہیں جو Inconciable ہیں۔ وہ بالکل متضاد نوعیت کی ہیں۔ مثلاً کہیں تو یہ بیان کیا گیا کہ سفرِ معراج حطیم سے شروع ہُوا۔ کسی دوسری روایت میں بیان ہو رہا ہے کہ اس کا آغاز کسی گھر سے ہُوا۔ حضورؐ کے اپنے گھر یا حضرت اُمِّ ہانی رضؓ کے گھر سے، جو اں حضرتؐ کی چچازاد بہن ہیں۔ کسی روایت کے آخر میں الفاظ ایسے آگئے ہیں کہ: ثُمَّ اسْتَیْقَظْتُ "پھر میں جاگ گیا۔" جس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ سارا واقعہ عالم خواب اور نیند میں ہُوا۔ اس لیے کہ 'استیقظت' کے معنی کوئی اور نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا تاویل ممکن نہیں۔ یہ جو تضاد کی نوعیت کی روایات ہیں جن کو ایک دوسرے کے ساتھ باہم جوڑنا ممکن نہیں ہے۔ ایسی روایات کی تاویل بہت سے محققین امّت کے نزدیک یہ ہے کہ واقعہ معراج بھی ایک بار نہیں ہُوا کئی بار ہُوا ہے۔ اس طرح کوئی روایت بھی رد نہیں ہوتی۔ بعض محققین اس تاویل کو تسلیم نہیں کرتے کہ واقعہ معراج بار بار ہُوا ہے۔ وہ اپنی تحقیق کی بنیاد اُس روایت کو بناتے ہیں جسے وہ زیادہ معتبر سمجھتے ہیں صرف اسی کو قبول کرتے ہیں۔ اسی کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ بقیہ روایات کو وہ ردّ کر دیتے ہیں۔ سلف سے یہ اختلاف چلا آرہا ہے۔ اور یہ آئندہ بھی رہے گا۔ اپنے ذاتی مطالعہ اور غور و فکر سے جس نتیجے پر میں پہنچا ہوں، وہ میں آپ کے سامنے بیان کر دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ کم از کم دو مرتبہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو معراج ہُوا ہے۔

ایک مرتبہ یہ معراج ہُوا ہے بالکل ابتدائی زمانے میں، یعنی نبوّت کے ابتدائی دور میں۔ یوں سمجھیے کہ یہ معراج نبوّت کے سن دو یا تین میں ہُوا یعنی ۴۲ یا ۴۳ سنِ ولادت میں۔ اور یہ معراج ہُوا ہے حالتِ نوم میں۔ ایسی روایات اس معراج کے ساتھ جڑیں گی جن کے آخر میں مذکور ہے ثُمَّ اسْتَیْقَظْتُ پھر میں جاگ گیا۔ یہ جو تجربہ ہے اس کو نیند میں ایک روحانی تجربے، ایک مکاشفے یا خواب سے تعبیر کیا جائے گا اور جو دوسرا واقعہ ہے جو انتہائی مشہور و معروف ہے اور جس کو ہم

معراج کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ معراج نبوّت کے سن گیارہ کے اواخر یا سن بارہ کے اوائل میں ہوا ہے۔ گویا یہ آں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عمر شریف کا باونواں سال ہے۔ ہجرت سے لگ بھگ دو سال قبل۔ یہ واقعہ درحقیقت ان تجربات کی جو آں حضورؐ کو اس وقت تک ہوئے تھے تکمیل ہے اور یہ تجربہ ان تمام تجربات کا نقطۂ عروج ہے۔ یہ ان کا CLIMAX ہے اور یہ سفر جو ہے وہ ہرگز نیند میں نہیں ہوا۔ یہ صرف روحانی تجربہ نہیں ہے۔ یہ کوئی رؤیا یا خواب نہیں ہے بلکہ یہ سفر ہے بجسدہٖ۔ نبی اکرمؐ کے پورے جسدِ مبارک کے ساتھ معراج کا یہ پورا کا پورا سفر پیش آیا۔ اس ضمن میں اس دور میں جو عقلیّت پرستی ۔ RATIONALISM کا دور ہے۔ اگرچہ عام پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ اس کو Eighteenth Century Rationalism کہا جاتا ہے۔ یعنی اسے اٹھارویں صدی عیسوی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن مجھے علّامہ اقبالؒ کا یہ شعر یاد آیا جس میں انہوں نے مشرق و مغرب کی سوچ کا فرق یوں واضح کیا کہ ؎

دہاں دگرگوں ہے لحظہ بلحظہ  یہاں بدلتا نہیں زمانہ

مغرب میں فکرِ انسانی کئی قلابازیاں کھا چکا ہے اور مشرق کے کچھ مفکرین ہیں جو ابھی تک اٹھارہویں صدی ہی کے RATIONALISM کو بیٹھے چاٹ رہے ہیں۔ اٹھارویں صدی کی وہ عقل پرستی مغرب میں ختم ہو چکی ہے۔ سائنس کے صغریٰ کبریٰ اور مقدمات و متعلّقات (PREMISSES) تبدیل ہو چکے ہیں۔ اصول و مبادی بدل چکے ہیں لیکن ہمارے یہاں کچھ لوگ ہیں جو ابھی تک نیوٹونین فزکس NEWTONION PHYSICS کو مضبوطی سے پکڑے بیٹھے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں، جن کے نزدیک معراج کا واقعہ محالات میں سے ہے، ناممکنات میں سے ہے۔ میں اسی لیے کہا کرتا ہوں کہ اگر سر سید احمد خاں مرحوم نے ٹھوکر کھائی تو وہ قابلِ رحم ہیں اور معذور ہیں۔ وہ آج سے سو سوا سو سال پہلے کے انسان ہیں وہ جس سائنس کی عقل پرستی سے مرعوب تھے۔ اس سائنس کے، جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ (PREMISSES) بدل گئے۔ لیکن تعجب اور حیرت تو ان لوگوں کی حالت پر ہوتی ہے جو سرسید کے فکر پر آج بھی اپنی دوکانیں چمکا رہے ہیں۔

یہ مقلد محض ہیں۔ ان کے پاس تو درحقیقت عقلِ عام COMMON-SENCE نام کی شے بھی نہیں ہے کہ ان کو اندازہ ہو کہ ہم کس دور میں سو ڈیڑھ سو سال پہلے کی RATIONALISM کی بات کر رہے ہیں۔

یہ آئن اسٹائن کی فزکس کا زمانہ اور دور ہے۔ دو ڈیڑھ سو سال پہلے کی فزکس کے مقدمات تبدیل ہو چکے ہیں۔ اب MATTER (مادّہ) حتمی، قطعی اور ناقابلِ تردید اور مستحکم (Indisputable and Indissolvable) نہیں رہا۔ اب سائنس یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ نظری اعتبار سے تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی PHYSICAL-OBJECT نور کی رفتار (Velocity of light) کے ساتھ حرکت (MOVE) کرے گا تو اس کے لیے وقت نہیں گزرے گا۔ حساب نے یہ ثابت کر دیا اگرچہ ابھی ہم اس کا صحیح تصور نہیں کر سکتے۔ سب سے زیادہ رفتاریں انسان کے سامنے دو تھیں۔ ایک آواز کی رفتار۔ اس سے تو انسان آگے گزر گیا ہے۔ پہلے بندوق کی گولی آواز سے آگے جاتی تھی۔ گولی پہلے لگتی تھی آواز بعد میں آتی تھی۔ لیکن اب تو سپرسانک جیٹس ہیں۔ آواز سے کہیں زیادہ ان کی اپنی رفتار ہے۔ اب صرف ایک رفتار رہ گئی ہے اور وہ ہے نور یا روشنی کی رفتار (VELOCITY OF LIGHT) اس سے آگے پہنچنے کا ابھی کوئی تصور ہمارے سامنے موجود نہیں ہے۔ لیکن یہ بات تسلیم کی جانی چاہیے کہ ایسا ہونا ممکن ہے۔ وہ چاہے بالفعل ہمارے لیے ابھی ACHIEVE کرنا ممکن نہ ہو لیکن یہ بات اب عقل میں آتی ہے۔ حساب کتاب سے وہ بات برآمد ہو رہی ہے۔ صرف فرق ہے انسانی قدرت اور اللہ کی قدرت کا جس کی طرف اشارہ کر کے بات شروع کی گئی کہ: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا "پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات لے گئی اپنے بندے کو مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ "مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصا تک"۔

اس آیت میں پہلی قابلِ توجہ بات لفظ "سبحان" ہے۔ جو ہستی اس فعل کی فاعلِ حقیقی ہے، وہ "سبوح" ذات ہے۔ اگر یہ بات کسی انسان کی طرف منسوب ہوتی تو بات اور تھی۔ اگر یہ فعل حضورؐ کی طرف منسوب ہوتا کہ حضورؐ خود تشریف لے گئے تو اور بات تھی۔ یہاں صورت بالفعل یہ تھی کہ:

کہ "مَیں آیا نہیں ہوں لایا گیا ہوں"۔ حضورؐ گئے نہیں لے جائے گئے ہیں۔ اور لے جانے والی وہ ذات ہے کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ جو پاک ہے ہر عیب سے، ہر نقص سے ہر ضعف سے، ہر کوتاہی سے ہر درماندگی سے، اور وہ ذات سبوح ہے، منزّہ ہے، ارفع ہے، اعلیٰ ہے، بالاترین ہے لہٰذا اس کی قدرت سے ہرگز بعید نہیں کہ وہ اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجد اقصا تک اور پھر مسجدِ اقصا سے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جائے اور واپس لے آئے اور مسجدِ حرام میں پہنچا دے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضورؐ کی مراجعت پر وضو کا پانی ابھی بہہ رہا تھا اور حضورؐ کے مکان کے دروازے کی کنڈی ابھی ہل رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ ابھی وقت نہیں گزرا[1] یہ چیز جیسا کہ مَیں نے عرض کیا کہ آج کا جو

---

[1] اس موقع پر اس عاجز کو مولانا حفظ الرحمٰن سوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی "معراج" کے موضوع پر کی گئی ایک تقریر کا وہ حصّہ اچانک یاد آگیا جو اسی مسئلہ سے متعلق تھا۔ یہ تقریر اس عاجز نے نوجوانی کے دور میں سُنی تھی۔ ایک مسجد میں تقریر تھی۔ اس زمانے میں عموماً وقت بتانے والے وہ گھنٹے ہُوا کرتے تھے جو چابی اور Pendulum (لنگر) سے چلتے تھے۔ مولانا مرحوم جب تقریر میں اس موضوع پر آئے تو انہوں نے ایک بڑی پیاری مثال سے اس مسئلہ کو سمجھایا۔ انہوں نے فرمایا کہ "آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ اس گھنٹہ میں چابی بھری ہوئی ہے لیکن یہ گھنٹہ پنڈولم کے رقص کی بدولت چل رہا ہے اور وقت بتا رہا ہے۔ اس وقت اس میں گیارہ بج رہے ہیں۔ اب اگر مَیں اس کو روک دوں تو یہ گیارہ بجے کے وقت پر رُک جائے گا۔ بعد ازاں ایک یا دو دن یا چند ہفتوں یا چند مہینوں کے بعد اس پنڈولم کو حرکت دی جائے تو یہ ٹھیک گیارہ بجے سے جہاں اسے روکا گیا تھا حرکت میں آجائے گا" مولانا نے یہ مثال دے کر آگے فرمایا کہ "ہم جس اللہ کو مانتے ہیں، وہ "علیٰ کل شیٔ قدیر" اللہ ہے اور اس کائنات کے رواں دواں رہنے میں ہر لحظہ اور ہر آن اسی کا حکم کارفرما ہے "لہُ الخلق والامر" اب جبکہ اس نے اپنے بندے محمد رسول اللہ کو معراج عطا فرمایا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ)

ذہن ہے، اس کی رُو سے یہ بات ناقابلِ قیاس اور ناقابلِ یقین نہیں رہی ۔
سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ ۔

دوسری قابلِ توجہ بات ہے لفظِ "عبد" ۔ ایک اس پہلو سے کہ لفظ عبد کا اطلاق صرف رُوح پر نہیں ہوگا بلکہ رُوح اور جسد دونوں پر ہوگا۔ ہم عبد ہیں، صرف ہماری رُوح کو عبد نہیں کہا جائے گا۔ ہم اپنی روح کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے تو روح محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت کو کیا سمجھ سکیں گے! بلکہ جان لیجئے کہ عبد کا اطلاق اکثر و بیشتر تو جسد پر ہوگا۔ اس صراحت سے یہ اضافی بات معلوم ہوئی کہ صرف رُوحِ محمدیؐ نہیں لے جائی گئی بلکہ بنفسِ نفیس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے جائے گئے۔ اور "محمدؐ" کا اطلاق رُوحِ محمدیؐ اور آپؐ کے جسدِ شریف دونوں کے مجموعے پر ہوگا صرف رُوح پر نہیں ہوگا۔

تیسری بات جو بہت قابلِ لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ یہ جو مقام عروج ہے، جس کا ذکر سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ہو رہا ہے، اس میں حضورؐ کی دو نسبتوں میں سے جس کا حوالہ دیا جا رہا ہے، وہ نسبتِ رسالت نہیں ہے،

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴ سے آگے

تو اس نے کائنات کو معطل (SUSPEND) ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہر چیز کی حرکت اسی جگہ رُک گئی۔ بعدہٗ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جہاں آپؐ کی امامت میں تمام انبیاء و رسل نے نماز پڑھی جو گویا علامت تھی اس بات کی کہ آپؐ سید الانبیاء و رسل ہیں۔ اس کے بعد آپؐ حضرت جبرئیلؑ کی معیت میں یکے بعد دیگرے ساتوں آسمانوں پر پھر سدرۃ المنتہیٰ تک تشریف لے گئے۔ آپؐ کو جنت اور دوزخ کی سیر کرائی گئی۔ اس کے بعد حضورؐ کو واپس اپنے مستقر پر بھیج دیا گیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے کائنات پھر رواں دواں ہوگئی۔ چنانچہ جو چیز جس مقام پر روک دی گئی تھی، اسی جگہ سے اس نے حرکت شروع کر دی۔" مولانا نے فرمایا کہ "یہ ایک عقلی توجیہہ ہے اس بات کی کہ حضورؐ کی واپسی پر کنڈی ہل رہی تھی۔ وضو کا پانی بہہ رہا تھا اور بستر میں حرارت موجود تھی۔" (مرتب)

بلکہ نسبتِ عبدیت ہے۔ ویسے بھی عام طور پر قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ کی عنایتِ خصوصی اور شفقتِ خصوصی کا ذکر آتا ہے اور اظہار ہوتا ہے، وہاں آپؐ کی نسبتِ عبدیت کا ذکر ملتا ہے۔ جیسے ہم نے یہاں دیکھا۔ جیسے اگلی سورت سورۃ الکہف میں ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔ اور جیسے سورۃ الفرقان میں ہے، تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۝ اسی طریقے سے سورۃ النجم میں ہے، فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی ۝ اسی طرح یہاں ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ یہاں یہ نکتہ جان لیجئے کہ نسبتِ عبدیت بالاتر ہے نسبتِ رسالت سے۔ اور اگر اسے صوفیاء کی اصطلاح سے سمجھیں تو وہ یہ ہے کہ نسبتِ عبدیت ایک عروجی نسبت ہے۔ نسبتِ رسالت ایک نزولی نسبت ہے۔ اگر اس امر کو آپ ذہن میں رکھیں گے تو بات آسانی سے سمجھ میں آ جائے گی کہ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کو جب پہلی وحی ہوئی ہے یا مخاطبہ یا مکالمہ سے جو وہ مشرف ہوئے ہیں تو وہ کوہِ طور پر ہیں، بلند مقام پر ہیں۔ اور اس سے اعلیٰ مقام کیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ گفتگو ہو رہی ہے۔ درمیان میں کوئی واسطہ حائل نہیں ہے۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَكْلِیْمًا۔ "اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کلام فرمایا جیسا کہ کلام کیا جاتا ہے"۔ یہاں موسیٰؑ کیا ہیں؟ عبد ہیں۔ رسالت کا حکم ملا تو فرمایا گیا، اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ۝ "جاؤ فرعون کی طرف، بے شک وہ بہت سرکش ہو گیا ہے"۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے اتریں گے تو فرعون کی طرف جائیں گے۔ کسی کے پاس سے کوئی جاتا ہے تو اس کی طرف بیٹھ کر کے جاتا ہے۔ کسی کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوتا ہے تو اس کے حضور میں ہے۔ مواجہہ کر رہا ہے۔ FACE TO FACE ہے۔ تو غور کیجئے کہ کونسی نسبت بالاتر ہوئی۔ ظاہر ہے کہ نسبتِ عبدیت۔ جس میں رُخ اللہ کی طرف ہوتا ہے اور رسالت ایک فرضِ منصبی ہے کہ جاؤ ادا کرو۔ اس کا رُخ مخلوق کی طرف ہوتا ہے۔ مولانا رومؒ نے اس کو ایک تمثیل کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ بہترین تمثیل ہے۔ اصل میں ان حقائق کو جاننے

والے یہ صوفیاء ہی ہیں۔ یہ نہ فقہاء کا دائرہ ہے نہ محدثین کا دائرہ ہے۔ اپنے اپنے دائرے ہیں۔ ان دائروں میں سب نے اپنے اپنے کام کیے ہیں۔ یہ سارے اصحاب ہمارے محسن ہیں لیکن یہ کہ اپنا اپنا ذوق ہے اور اپنا اپنا میدان ( FIELD ) ہے۔ عبدیت و رسالت میں جو فرق مراتب قائم کیا ہے، وہ صوفیا ہی کے کرنے کا کام ہے۔ مولانا رومؒ نے بارش کی مثال دی ہے۔ ہماری دنیا میں بارش کے نظام کا جو سائیکل چل رہا ہے وہ کیا ہے! سمندر سے بخارات اٹھ رہے ہیں۔ یہ عروج ہے۔ نہایت لطیف حالت میں ہیں، نہایت پاک و صاف ہیں۔ یہ عمل کشید و تطہیر ہو رہا ہے۔ پانی کو بھاپ بنایا جا رہا ہے۔ اس میں کثافت تو ساتھ نہیں جائے گی۔ پانی انتہائی لطیف اور پاک و صاف صورت میں اُوپر جا رہا ہے۔ اوپر جا کر ان بخارات نے بادلوں کی شکل اختیار کی۔ ہواؤں کے دوش پر یہ بادل فضا میں تیرتے ہیں۔ پھر بارش بن کر وہی پانی نازل ہو رہا ہے۔ اب اس نزولِ بارش سے کیا ہو گا! پہلے وہ فضا کو دھوئے گا۔ اس عمل میں فضا کی کچھ نہ کچھ برستے پانی میں کثافت شامل ہو جائے گی۔ پھر وہ بارش زمین تک پہنچے گی اور زمین کو دھوئے گی۔ لیکن کچھ مزید کثافتیں شامل ہو جائیں گی۔ یہ پانی ندیوں، نالوں اور دریاؤں سے ہوتا ہُوا پھر سمندر میں پہنچے گا۔ وہ ساری کثافتیں سمندر میں رہ جائیں گی اور پھر وہی پانی لطیف اور پاک و صاف ہو کر بخارات کی صورت میں آسمان کی طرف اُٹھ جائے گا۔ یہ عروج ہے۔ اور وہ نزول ہے۔ نزول سے صفائی ہو رہی ہے فضا کی اور زمین کی۔ عروج میں پانی کی اپنی صفائی ہوتی ہے۔ یہی ہے سائیکل جو عبدیت و رسالت کے مابین چلتا ہے۔ رات کو اللہ کا بندہ اس کے حضور میں کھڑا ہے۔ یہ کس کی صفائی ہے۔ ! اپنی۔ کس چیز سے صفائی! یہ میں بعد میں عرض کروں گا۔ اس کو کہیں اپنی کثافتوں پر قیاس نہ کر لیجئے گا۔ وہ کثافتیں ان کے آس پاس بھی نہیں ہوتیں۔ مگر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی لیکن دن کے لیے کیا حکم ہے! اب وہ نزول ہے جاؤ لوگوں کی طرف، انہیں اللہ کا پیغام پہنچاؤ۔ ان کو اللہ کے راستے کی طرف پکارو اور بلاؤ۔ یہ کام منصب رسالت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مشرکانہ ماحول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی دعوت پہنچا رہے ہیں۔ مجمعوں میں قرآن پیش فرما رہے ہیں، گھروں پر

دستک دے رہے ہیں، دربدر تشریف لے جا رہے ہیں۔ لیکن ہو کیا رہا ہے ؟ یہ کہ کسی نے استہزا اور تمسخر کیا۔ کسی نے گالی دے دی۔ کسی نے مجنون و دیوانہ کہہ دیا۔ کسی نے ساحر اور جادوگر کہہ دیا۔ کسی نے شاعر کہہ دیا۔ کسی نے کاہن کہہ دیا۔ ان باتوں سے قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ کدورت پیدا ہوتی ہو گی یا نہیں! ان کے طبع مبارک کو رنج پہنچے گا یا نہیں! یہ اثرات بالکل مترتب نہ ہوں، یہ ناممکن ہے۔ اسی لیے تو قرآن مجید میں مختلف اسالیب سے حضورؐ کو تسلی دی جاتی رہی ہے جیسے فرمایا: وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ - "ہمیں بخوبی علم ہے کہ آپ کو رنج ہوتا ہے۔ افسوس ہوتا ہے۔ آپ کی طبیعت پر ان کی باتوں سے تکدر پیدا ہوتا ہے، آپ ملول اور غمگین ہوتے ہیں" اور: نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ " ن قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں (یعنی قرآن) آپ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ربّ کے فضل سے ہرگز مجنون نہیں ہیں"۔ چنانچہ نبی اکرمؐ کو ایک طرف تسلی دی جا رہی ہے اور جو تکدر دل پر آ گیا ہے، اس کا دور کیا جانا بھی ضروری ہے لہٰذا حکم ہو رہا ہے کہ راتوں کو کھڑے ہوئیے: يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ " اے لحاف اوڑھ کر لیٹنے والے! رات کو کھڑے رہا کرو۔ یعنی نماز پڑھا کرو۔ مگر تم آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لو یا اس سے کچھ زیادہ پڑھاؤ اور قرآن کو خوب ٹھیر ٹھیر کر (حالتِ قیام میں) پڑھا کرو"۔ اب یہ عروجی کیفیت ہے، یہ نسبتِ عبدیت ہے کہ عبدہٗ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اس طرح کا بندۂ خاص، اس کے حضور میں راتوں کو کھڑا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے لو لگی ہوئی ہے اور اپنے رب، اپنے مولا، اپنے ناصر، اپنے حامی کے حضور میں مناجات ہو رہی ہے۔ دن میں نزولی عالم ہے کہ لوگوں کے اذہان و قلوب کو نورِ توحید سے منور کرنے کی مساعی ہو رہی ہیں۔ ماحول کو صاف کرنے کی جدوجہد ہو رہی ہے۔ اسی طرف اشارہ ہے سورۃ المزمل کی آیات ایک تا دس میں، جن میں سے پہلی

چار آیات اور ان کا ترجمہ میں آپ کو سُنا چکا ہوں۔ اب اگلی چند آیات اور ان کا ترجمہ بھی سُن لیجئے تاکہ بات مکمل ہو جائے۔ فرمایا:

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝

"(اے نبی) بلاشبہ آپ کے لیے دن میں (تبلیغ کی) بڑی مصروفیات ہیں۔ بڑی محنت اور مشقت ہے (لیکن) اس میں (بھی) اپنے رب کے نام کے ساتھ اس کا ذکر کیا کیجئے اور سب سے کٹ کر اُسی کے ہو رہیے۔ وہ (اللہ) مشرق و مغرب کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا اُسی کو اپنا پشت پناہ بنائیے۔ اُسی پر بھروسہ کیجئے۔ اور (اے نبی) آپ کی دعوت پر لوگ جو باتیں بنا رہے ہیں، ان پر صبر کیجئے اور ان سے خوش اسلوبی کے ساتھ کنارا کش ہو جائیے۔"

طنز و استہزا اور طعن و تشنیع کے گھاؤ بڑے کاری ہوتے ہیں۔ ان کو جھیلنا آسان نہیں۔ اس سے طبیعت مبارک پر جو تکدر آتا تھا اس کا ازالہ ہوتا تھا جب عبدہٗ نسبتِ عبدیت کے اعتبار سے رات کی تنہائیوں میں اپنے رب کے حضور کھڑا ہوتا تھا اور حالتِ عروجی کی کیفیات سے بہرہ مند ہوتا تھا۔ تو یہاں لفظ 'عبد' کے حوالے سے ان حقائق کو ذہن نشین کر لیجئے: سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا۔

اب آیت کے اس حصے میں دو الفاظ مزید وضاحت طلب ہیں۔ ایک اسراء اور دوسرا لیلاً۔ عربی میں اسراء کے معنی ہیں راتوں رات لے جانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں سورۃ الشعراء کی آیت نمبر ۵۲ میں یہی لفظ آیا ہے: وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ "اور ہم نے موسیٰؑ کو وحی بھیجی کہ (اے موسیٰ) راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ، تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔" تو حضورؐ کے لیے بھی لفظ آیا سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ

اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ — اس کے بعد لَیْلًا کیوں آیا؟ جبکہ اسریٰ میں راتوں رات، کا مفہوم و معنی شامل ہیں۔ دوہرایا کیوں گیا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے اس آیت کے ترجمہ میں لَیْلًا کا ترجمہ "رات کا ایک حصہ" کیا تھا۔ پوری رات نہیں لگی تھی۔ اس کا ایک حصہ ہے، نہایت قلیل، نہایت مختصر، جو اس سفرِ مبارک میں صرف ہوا۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ "پاک ہے وہ ذات جو لے گئی راتوں رات اس کے ایک حصے میں اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے مسجد اقصا تک جس کے ماحول کو اس نے بابرکت بنایا ہے۔ تاکہ اپنے اس بندے کو اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی ذات تو ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والی۔"

اب دوبارہ ترجمے سے پوری بات آپ کے سامنے بالکل منقح ہوکر آگئی ہوگی اب دو باتیں تشریح و وضاحت طلب رہ گئیں، ایک تو یہ کہ کیا نشانیاں حضورؐ کو دکھائی گئیں! وہ میں آپ کو احادیث کے حوالے سے آگے بتاؤں گا۔ اس لیے کہ ان کا ذکر احادیث ہی میں بصراحت موجود ہے۔ دوسرے اس آیت کا آخری ٹکڑا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ہے۔ "سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا تو صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔" یہ اس کے علمِ کامل کی دراصل شرح ہے۔ یہاں حصر کا اسلوب ہے۔ یعنی اس کے سوا یہ وصف کسی اور میں ہے ہی نہیں چاہے وہ ملائکہ ہوں، انبیاء ہوں، رسل ہوں، اولیاء ہوں۔ البتہ یہ اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنے علم میں سے جتنا جس کو چاہے عطا فرما دے۔ اپنی سماعت میں سے جتنا چاہے حصہ کسی کو مرحمت فرما دے۔ اپنی بصارت میں سے جتنا چاہے حصہ کسی پر فیضان فرما دے۔ یہ اسی کو اختیار ہے: وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ج "اللہ کے علم میں سے کوئی بھی کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتا سوا اس کے جو وہ تم خود چاہے۔" اور: سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (اے اللہ) تو پاک ہے اور ہمیں کوئی علم حاصل نہیں

ہے مگر وہ جو تُو نے ہمیں سکھایا۔" یہ ملائکہ کا قول نقل ہُوا۔ پس فرشتوں کے علم کی نوعیت یہی ہے اور انبیاء و رسل کے علم کی کیفیت بھی یہی ہے جو اللہ تعالےٰ نے عطا فرمایا، اتنا ہی ان کا علم ہے۔ باقی سب کچھ سُننے والا سب کچھ دیکھنے والا، سب کچھ جاننے والا صرف اللہ تبارک و تعالیٰ سبحانہٗ ہی ہے۔ جیسا کہ مَیں نے عرض کیا کہ یہ حصر کا اسلوب ہے۔ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ط

اب مَیں چاہتا ہوں کہ یہ پورا واقعہ آپ کو اُس حدیث کے حوالے سے سُنا دوں جو متفق علیہ ہے۔ مَیں خود بیان کروں گا تو کچھ نہ کچھ کمی بیشی کا احتمال ہے۔ اگر ہم اتنے خوش قسمت ہیں اور فی الواقع ہیں کہ وہ واقعہ مفصل طور پر حدیث کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور حدیث دوسرے یا تیسرے طبقے کی کتابوں کی نہیں ہے، بلکہ متفق علیہ ہے، جس کا پایہ، جیسا کہ مَیں عرض کر چکا ہوں، روایت اور سند کے اعتبار سے تقریباً قرآن مجید کے برابر ہے۔ اس حدیث کے راوی ہیں حضرت مالک ابن صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ انؓ کے بارے میں ایک بڑی اہم بات ہے اُسے نوٹ کر لیجئے۔ یہؓ انصاری صحابی ہیں اور ان میں سے ہیں جنہیں حدیث بیان کرنے کا زیادہ شوق نہ رہا ہو۔ غالباً یہ واحد حدیث ہے جو انؓ سے مروی ہے۔ انؓ کو اس حدیث سے نہایت شغف تھا۔ نہایت محبت کے ساتھ انہوں نے اس کو محفوظ کیا تھا۔ اس کے ایک ایک لفظ کی حفاظت کی تھی۔ چنانچہ بعض دوسرے وہ صحابہ کرامؓ بھی جنہوں نے خود نبی اکرمؐ سے یہ واقعہ سُنا ہُوا تھا۔ یعنی وہ خود بھی روایت کر رہے ہیں کہ ہم نے آں حضورؐ سے خود سُنا۔ جیسے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ لیکن ایسے صحابہؓ بھی ان کی خدمت میں خاص طور پر حاضر ہو کر اس روایت کو سُنتے تھے۔ اس لیے کہ اس روایت میں انؓ کا درجہ بہت بلند ہے۔ انؓ کو اس سے بہت شغف تھا۔ لہٰذا جو صحابہؓ خود نبی اکرمؐ سے یہ واقعہ براہِ راست سُن چکے تھے۔ خاص طور پر انؓ کے پاس جا کر اس حدیث کو سُنا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ حدیث جو متفقٌ علیہ ہے۔ اُسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں عن قتادۃ عن انس ابن مالکٍ عن مالک ابنِ صعصعۃ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے روایت کرتے ہیں۔ مسلم شریف میں یہ روایت براہِ راست حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے مروی موجود ہے۔

اب میں وہ روایت لفظ بہ لفظ آپ کو سُناتا ہوں۔ ساتھ ساتھ ترجمہ اور تشریح و توضیح بھی کرتا جاؤں گا۔ نہایت غور سے یہ حدیث سماعت فرمائیے ــــ ان شاء اللہ العزیز اس طرح بہت سے اشکالات دُور ہو جائیں گے۔ حدیث یہ ہے:

عن مالک بن صعصعۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدثھم عن لیلۃ اسری بہ۔ حضرت مالک بن صعصعہ روایت کرتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہمیں وہ حالات و واقعات سُنائے جو اس رات کو پیش آئے، جس رات کو آپؐ کو لے جایا گیا" یعنی واقعۂ معراج۔ اب دیکھئے یہ مرفوع حدیث ہوگئی۔ آگے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: "بَیْنَمَا اَنَا فِی الْحَطِیمِ وَ رُبَما قال فی الحجر ــ" اس اثنا میں کہ میں حطیم میں تھا۔ یا شاید حجر کا لفظ ارشاد فرمایا" حجر بھی حطیم کے ایک حصّے کو کہتے ہیں۔ مُضْطَجِعًا" میں لیٹا ہُوا تھا" اذ اتانی اٰتٍ" کہ اچانک میرے پاس ایک آنے والا آیا" یہ آنے والے کون ہیں! یہ حضرت جبریلؑ ہیں۔ یہ آگے واضح ہو جائے گا۔ فشق ما بین ھٰذہٖ اِلیٰ ھٰذِہٖ ۔" حضورؐ نے اشارہ فرمایا کہ اس نے یہاں سے وہاں تک میرا سینہ چاک کیا" یعنی من ثغرۃ نحرہ الی شعرتہ ۔" یعنی حلق کے گڑھے سے لے کر ناف تک" فاستخرج قلبی ۔" پھر میرا دل نکالا" ثم اتیت بطست من ذھب مملو ایمانا فغسل قلبی ۔ " پھر ایک سنہری طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہُوا تھا۔ پھر اس سے میرا دل دھویا گیا" وفی روایۃ ثم غسل البطن بماء زمزم ثم ملیٔ ایمانًا وحکمۃً ۔ " اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اسی طرح پیٹ کو بھی زمزم سے دھویا گیا اور اُس میں ایمان و حکمت بھر دیئے گئے" ثم اُتیتُ بدابۃٍ ۔" پھر میرے پاس ایک چوپایہ لایا گیا" دون البغل فوق الحمارِ ۔" جو خچر سے تو چھوٹا تھا گدھے سے بڑا تھا" ابیض یقال لہ البُراق ۔" وہ بالکل سفید تھا۔ اُس کا نام براق ہے" یضع خطوہ

عند اقصیٰ طرفہ ۔" اس کا ہر قدم، اس کی حدِ نگاہ تک پڑتا تھا۔"
فحملت علیہ ۔" پھر مجھے اس پر سوار کیا گیا۔" ثم انطلق بی جبرئیل
" پھر جبرئیل میرے ساتھ چلے۔" اب یہاں نام آگیا اور صراحت ہو گئی کہ آنے
والے حضرت جبرئیل تھے۔ حتیٰ اتی السماء الدنیا۔" یہاں تک کہ وہ آسمانِ
دنیا تک پہنچ گئے۔" یہ پہلا آسمان جو ہمیں نظر آتا ہے۔ اب یہاں دیکھئے کہ اس
روایت میں زمینی حصّہ کا ذکر رہ گیا۔ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت اور دوسری
روایات جوڑ کر اس خلا کو پُر کیا جاتا ہے۔ پہلا زمینی سفر ہے۔ مسجد اقصا تک پہنچے
ہیں۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ" میں نے اپنی
سواری براق کو اس جگہ باندھا جہاں انبیاء باندھا کرتے تھے۔ مسجد میں بہت سے
لوگ نماز کے لیے جمع تھے۔ میں منتظر تھا کہ کون امامت کرے گا کہ حضرت جبرئیل
نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھے آگے کیا۔ میں نے نماز پڑھائی اور پھر حضرت جبرئیلؑ نے
مجھے بتایا کہ میری اقتداء میں نماز ادا کرنے والے وہ تمام انبیاء ہیں جو دنیا میں
مبعوث ہوئے اور آج آپؐ نے ان سب کی امامت کی۔" یہ علامت ہے نبی اکرم
صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سیّد الانبیاء والمرسلین ہونے کی۔ پھر یہاں سے آسمانی سفر
کا آغاز ہُوا۔ اب پھر اسی روایت کا سلسلہ جوڑتا ہوں جو بیان ہو رہی تھی۔ حضورؐ
حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ پہلے آسمان پر پہنچے تو فاستفتح ۔" حضرتِ جبرئیل
نے دستک دی دروازہ کھلوانا چاہا۔" قیل من ھذا ۔" پوچھا گیا کون
ہے؟" قال جبرئیل ۔" انہوں نے جواب دیا جبرئیل۔" قیل ومن معک
" پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے۔" یہاں یہ بات ذہن میں رکھئے گا کہ اس امکان کو
کوئی مسترد نہیں کر سکتا کہ آسمانِ اوّل کے دروازے پر تعینات فرشتوں کو معلوم ہو
پھر بھی پوچھ رہے ہیں۔ قانون قانون ہے۔ دروازے پر دستک دینی ہوگی۔
شناخت کرانی ہوگی Identity disclose کرنی ہوگی۔ چاہے علم میں ہو۔ جج
اپنے علم کی بنیاد پر کبھی فیصلہ نہیں دے گا۔ وہ تو مقدمے کی سماعت ہوگی اور شہادتوں
کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا۔ کسی جج کو کسی واقعہ کا ذاتی علم ہے تو اسے مقدمہ کسی عدالت کو
منتقل کرنا ہوگا اور وہاں گواہ کی حیثیت سے پیش ہونا ہوگا۔ پس قانون قانون

ہے" پوچھا گیا ساتھ کون ہے" قال محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) "حضرت جبرئیل نے جواب دیا محمدؐ" قیل وقد ارسل الیہ؟ قال نعم "پوچھا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟" انہوں نے فرمایا "ہاں" قیل مرحبًا بہ فنعم المجیئ جاء وفتح فلما خلصت "اس کے بعد کہا گیا مرحبا ہے ان کے لیے، تہنیت ہے، مبارکباد ہے، خوش آمدید ہے۔ کیا ہی اچھے ہیں جو لائے گئے ہیں"۔ پھر سمائے دنیا کا دروازہ کھولا گیا۔ پھر میں داخل ہوا۔ فاذا فیہا آدم "پھر میں نے دیکھا وہاں آدم تشریف فرما ہیں"۔ فقال ھذا ابوک آدم فسلم علیہ فسلمت علیہ "جبرئیل نے کہا یہ آپ کے جدِ امجد ہیں پس آپؐ ان کو سلام کیجئے تو میں نے ان کو سلام کہا" فرد السلام ثم قال مرحبًا بالابن الصالح والنبی الصالح "انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا خوش آمدید ہے، تہنیت ہے صالح بیٹے اور صالح نبی کے لیے"۔ ثم صعد بی حتّٰی اتی السماء الثانیہ "پھر مجھے اوپر اٹھایا گیا یہاں تک کہ جبرئیل دوسرے آسمان تک پہنچ گئے"، پھر وہی سوال وجواب ہوئے۔ اب میں ترجمہ نہیں کروں گا صرف متن بیان کروں گا۔ فاستفتح قیل من ھذا قال جبرئیل قیل ومن معک قال محمدؐ قیل وقد ارسل الیہ قال نعم: قیل مرحبا بہ فنعم المجیئ جاء ففتح فلما خلصت۔ اس ساری کارروائی کے بعد جب حضورؐ دوسرے آسمان میں داخل ہوتے ہیں تو: اذا یحییٰؑ و عیسٰیؑ وھما ابنا خالۃ۔ قال ھذا یحییٰؑ وعیسٰیؑ فسلم علیھما فسلمت فردا ثم قالا مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح "وہاں یحییٰؑ اور عیسٰیؑ تھے اور یہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ یحییٰؑ اور عیسٰیؑ ہیں، ان کو سلام کیجئے تو میں نے سلام کیا، پھر انہوں نے بھی سلام کہا اور کہا خوش آمدید، مرحبا صالح بھائی اور صالح نبی کو"۔ یہاں غور کیجئے کہ حضرت آدمؑ نے حضورؐ کا استقبال بیٹا کہہ کر کیا جبکہ حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسٰیؑ نے بھائی کہہ کر خیر مقدم کیا۔ یہ اس لیے کہ

حضرت آدمؑ تو کل بنی نوع انسان کے جدِ امجد ہیں۔ جبکہ حضرات یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام بنی اسرائیل میں سے ہیں جو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، وہ بیٹا کہنے کے بجائے بھائی کہتے ہیں۔ اسی طرح آگے حضرات یوسفؑ، موسیٰؑ اور ہارونؑ بھائی کہیں گے۔ آگے حضرت ابراہیمؑ بیٹا کہیں گے۔ چونکہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں۔

آگے چلیئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ثم صعد بی الی السماء الثالثۃ فاستفتح قیل من ھذا قال جبرئیل، قیل ومن معک قیل محمد، قیل وقد ارسل الیہ، قال نعم، قیل مرحبا بہ فنعم المجیئ جاء ففتح فلما خلصت اذا یوسفؑ، قال ھذا یوسف فسلم علیہ فسلمت علیہ، فرد ثم قال مرحبا بالاخ الصالح والنبیّ الصالح۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اب ترجمے کی ضرورت نہیں ہے۔ پس میں تیزی سے صرف آسمانوں اور ان پر جن انبیاءؑ سے ملاقات ہوئی ان کا ذکر کر کے ان مقامات سے گزر جاؤں گا۔ تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور مکالمہ ہوا۔ چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کا ذکر حدیث میں اس طرح ہے کہ سلام کے تبادلہ کے بعد "فلما جاوزت بکی" جب میں آگے جانے لگا تو موسےٰؑ رونے لگے۔ قیل لہ ما یبکیک "ان سے پوچھا گیا آپ کو کیا چیز رُلا رہی ہے؟"۔ قال ابکی لان غلاماً بعث بعدی یدخل الجنۃ من امتہ اکثر ممن یدخلھا من امتی، موسےٰؑ نے کہا کہ مجھے اس بات پر رونا آ رہا ہے کہ یہ جوان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) میرے بہت بعد جس کی بعثت ہوئی ہے۔ اس کے باوجود ان کی امت سے جنت میں داخل ہونیوالوں کی تعداد میری اُمت کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوگی۔" وہ شفقت و الفت جو نبی

کو اپنی امت سے ہونی چاہیئے۔ یہ بکمال و تمام اس کا اظہار ہے۔ اسے معاذ اللہ کسی حسد پر محمول نہ سمجھ لیجئے گا۔ بلکہ یہ اپنی امت کی محرومی کا جو احساس ہوا ہے وہ ہے کہ جس سے حضرت موسٰے علیہ السلام پر یہ کیفیت طاری ہوئی۔ ثم صعد بی الی اسماء السابعۃ " پھر مجھے ساتویں آسمان پر لے جایا گیا" وہاں بھی داخلہ کے لیے فرشتوں سے مکالمہ ہوا۔ اس آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی "حضرت جبرئیل نے کہا یہ آپ کے جدّ حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کہا" فلما خلصت فاذا ابراھیم قال ھذا ابوک ابراھیم فسلم علیہ فسلمت علیہ، فرد السلام ثم قال۔" جواب میں حضرت ابراہیمؑ نے بھی سلام کہا اور ان الفاظ سے میرا استقبال کیا" مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح " خوش آمدید صالح بیٹے اور صالح نبی کے لیے" ثم رفعت الی سدرۃ المنتھٰی " پھر مجھے اور بلند کیا گیا۔ سدرۃ المنتہیٰ تک۔"

یہاں نوٹ کیجئے کہ صعد بی کی جگہ رفعت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ پھر یہی سدرۃ المنتہیٰ ہے، جس کا ذکر سورۃ النجم میں ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسی موقع پر حدیث کے بیان کی تکمیل سے قبل میں آپ کے سامنے سورۃ النجم کی اس واقعہ سے متعلق ان آیات کی تشریح و توضیح بھی پیش کر دوں، جن کی میں نے آغاز میں تلاوت کی تھی۔ اس سے پہلے یہ بات جان لیجئے کہ ابتدائی آیات کی تفسیر و تشریح میں بہت اختلاف ہے۔ وہ مشکلات القرآن میں سے ہیں۔ ہمارا قرآن حکیم کا جو سلسلہ وار درس چل رہا ہے اس سلسلے میں سورۃ النجم زیادہ دور نہیں ہے۔ ان آیات کی مشکلات اور ان کی تفسیر و تشریح میں جو اختلافات سلف سے چلے آ رہے ہیں، ان پر تو گفتگو انشاء اللہ اسی موقع پر ہوگی۔ یہاں اس کا محل نہیں ہے۔ بہرحال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشاہدات کرائے گئے، اس وقت میں ان سب سے بحث نہیں کروں گا۔ البتہ جس مشاہدے کا ذکر آیت نمبر ۱۱ تا نمبر ۱۸ میں آیا ہے اور ان آیات کا تعلق تقریباً تمام مفسرین و علمائے امت کے نزدیک واقعۂ معراج سے ہے لہٰذا میں اس کا ذکر کروں گا فرمایا: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝

"جو کچھ انہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اس کو ان کے دل نے جھٹلایا نہیں" اس کی طرف میں اشارہ کر چکا ہوں۔ ایک ہمارا مشاہدہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ وسوسے بھی ہوتے ہیں کہ یہ جو دیکھ رہا ہوں، وہ درحقیقت آگ ہے! یا اس کی سی صورت ہے۔ آج کل تو میں نے اس طرح کے لیمپ بنے ہوئے دیکھے ہیں کہ انسان کو ان کے اندر حقیقی انگارے دہکتے نظر آتے ہیں۔ سو انسان دھوکہ کھا سکتا ہے، حالانکہ انگاروں کا وجود ہے ہی نہیں۔ تو ہماری آنکھ دھوکہ کھاتی ہے لیکن نبی کا جو مشاہدہ ہوتا ہے وہ آنکھ اور دل، نظر و قلب، بصارت و بصیرت کی یکجائی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس میں فرق و تفاوت اور وسوسہ نہیں ہوتا۔ اسی حقیقت کے اظہار کے لیے نہایت فصیح و بلیغ اور اعجاز و ایجاز سے فرمایا: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝ — آگے فرمایا: أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝ "لوگو! کیا تم ان چیزوں کے بارے میں ان سے جھگڑتے ہو جو وہ دیکھتے ہیں" ان چیزوں کے بارے میں جھگڑا ہو سکتا ہے جو کہیں سے سنی سنائی ہوں لیکن تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جھگڑ رہے ہو ان چیزوں کے بارے میں جو وہ دیکھتے ہیں، چشم سر سے اور دل کی بصیرت سے۔ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝ "اور بلاشبہ ان کا یہ مشاہدہ پہلی بار نہیں ہوا ایک مرتبہ پہلے بھی ہو چکا ہے" موجودہ مشاہدہ ان کو کہاں ہوا!- عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہوا" عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۝ اسی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جنت الماویٰ ہے" وہ جنت جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور جو اللہ کے نیکوکار بندوں کا ٹھکانا بنے گی جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ جس کے متعلق سورۃ الزمر میں فرمایا گیا: وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ۝ "اور جنت کے داروغہ ان (نیکوکاروں) سے کہیں گے سلامتی ہو تم پر۔ تم بہت خوش بخت رہے داخل ہو جاؤ (اس) جنت میں ہمیشہ ہمیش کے لیے" یہاں نوٹ کر لیجئے کہ احادیث میں معراج کے موقع پر جنت کے مشاہدات کے جو احوال آئے ہیں، وہ جنت وہیں تو ہے۔ ان آیات میں ان احوال کا ذکر نہیں ہے۔ سدرہ عربی زبان میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ لفظ منتہیٰ،

انتہا سے بنا ہے جس کا مفہوم وہ جگہ اور مقام ہے جہاں جا کر کوئی چیز ختم ہو جائے۔ یہ "سدرۃ المنتہیٰ" کیا ہے! اس کا سمجھنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ اس کے متعلق میں آگے کچھ عرض کروں گا۔ قرآن مجید نے یہاں ایسا انداز اختیار کیا ہے کہ ہر شخص اس اسلوب سے یہ جان لے کہ یہ میرے فہم سے بالاتر ہے۔ ذکر ہو رہا ہے۔ واقعہ ہے، بیان کرنا ضروری ہے۔ لیکن تم اس حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے۔ یہ منتہیٰ کس اعتبار سے ہے! اب اس کو سمجھنا چاہیئے۔ یہ اس اعتبار سے ہے کہ یہاں سے آگے مخلوق کا گزر نہیں ہے۔ یہ انتہا ہے یہاں سے آگے حضرت جبرئیلؑ بھی نہیں جا سکتے۔ اور یہاں نوٹ کیجئے کہ اس سے آگے جانے کا کہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر نہیں ہے۔ یہ صرف ہماری شاعری میں ہے کہ اس سے آگے بھی حضورؐ گزر گئے۔ لیکن اس کا قرآن مجید میں اور احادیث شریفہ میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہیں تک گئے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ اس بارے میں بھی وضاحت آئی ہے کہ وحی الٰہی بھی یہاں نازل ہوتی ہے اور یہاں سے فرشتے لے لیتے ہیں۔ جو چیز عرش الٰہی سے اترتی ہے، وہ بلاواسطہ اوّلاً یہیں نازل ہوتی ہے۔ اس سے آگے وہ حریم کبریا ہے جس حرم میں داخلہ نہیں ہے۔ وحی بھی یہاں آئے گی اور یہاں سے ملائکہ لے کر نیچے جائیں گے۔ اور جو کچھ عالم خلق کی شے آئے گی وہ بھی یہیں تک آئے گی۔ اس سے آگے نہیں۔ حضرت جبرئیلؑ کی رسائی بھی یہیں تک ہے۔ لہٰذا نوٹ کیجئے کہ قرآن مجید نے جو ذکر کیا وہ سدرۃ المنتہیٰ کے آگے یا پار کا نہیں کیا بلکہ فرمایا: وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ یہ ہے وہ بات جس کی طرف میں اشارہ کر رہا تھا۔ فرمایا: "جب کہ اس بیری کے درخت کو ڈھانپے ہوئے تھا جو ڈھانپے ہوئے تھا" یعنی نہ اس کو زبان ادا کر سکتی ہے، نہ انسانی زبان میں وہ حروف و الفاظ ہیں جو اس کیفیت کو بیان یا اس کی تعبیر کر سکیں۔ نہ اس کا کوئی تصور انسان کے لیے ممکن ہے۔ جنت کی نعمتوں کے بارے میں ایک حدیث میں آتا ہے: ولا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔" وہ نعمتیں جو نہ کسی

آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سُنیں نہ انسان کے دل پر ان کا خیال تک کبھی آیا" اب انہیں بیان کریں تو کن الفاظ میں کریں! اس کا ابلاغ و اعلام کیسے ہو! وہ COMMUNICATE کیسے ہو۔! ابلاغ اور COMMUNICATION تو کسی ایسی چیز کے حوالے سے ہوتی ہے جس کا آپ کو تجربہ ہو۔ وہ آپ کی دید یا شنید میں آئی ہو۔ آپ کے ذہن میں اس کا کوئی تصور ہو۔ اس کے حوالے سے بات ہو سکتی ہے لہٰذا یہاں اسلوب اور انداز کیا ہے! وہ یہ ہے کہ: اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی۔ تجلیاتِ ربانی کس نوعیت اور کس کیفیت کی حامل تھیں ان تجلیات کا جو براہِ راست نزول ہو رہا تھا۔ اس مہبط تجلیات اور ان کے نزول کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ فرمایا۔ اس کا ذکر ہے ان آیات میں: مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ۝ اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ۝

ہماری شاعری میں بے نہایت مبالغے ہو جایا کرتے ہیں۔ علامہ اقبال جو کچھ بھی تھے۔ بہرحال شاعر بھی تھے۔ مبالغہ شاعری میں لازماً آتا ہے لہٰذا کہتے ہیں ؎

موسےٰ ز ہوش رفت بیک جلوۂ صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی

"موسیٰؑ تو ایک جلوۂ صفات ہی کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا۔ اور تو ام عین ذات کا مشاہدہ کر رہا ہے اور تبسم میں ہے۔" لیکن یہ مبالغہ ہے۔ عین ذات کے مشاہدے کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ نہ قرآن میں ہے، نہ حدیث میں۔ اگرچہ اختلاف ہے اور یہ صحابہ کرام رضؓ سے چلا آ رہا ہے۔ سلف میں ہے اخلاف میں ہے۔ کوئی رائے رکھنا چاہے تو رکھے۔ میں نے اسی لیے شروع میں کہا تھا کہ اس واقعہ معراج کا بالکلیہ انکار کفر ہوگا۔ تفصیلات اور توجیہات، تاویلات کا اختلاف کفر نہیں ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ شبِ معراج میں حضورؐ نے اللہ کو دیکھا۔ براہِ راست دیدارِ الٰہی ہوا ہے۔ لیکن زیادہ قوی رائے یہ بھی ہے کہ نہیں ذاتِ باری تعالیٰ کا براہِ راست مشاہدہ نہیں ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سے جب ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا "نُوْرٌ اَنّٰی اَرٰی" "اللہ تو ایک نور ہے اُسے دیکھا کیسے جا سکتا ہے۔!" آپ نور کے ذریعے سے کسی اور شے کو دیکھتے ہیں۔ نور تو نور ہے اس کو کہاں دیکھا جا سکتا ہے۔ نوٹ کیجئے کہ قرآن مجید میں بھی فرمایا: اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ۝ درمیانی آیت کے متعلق تو میں بعد میں عرض کروں گا۔ آخری آیت پر غور کیجئے۔ اس میں فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دیکھا! "بے شک انہوں نے اپنے رب کی عظیم الشان نشانیوں کو دیکھا" کبریٰ اسم تفضیل ہے۔ پس یہاں عظیم ترین آیاتِ ربانیہ کے مشاہدے کا ذکر ہے۔ جن کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مشاہدہ ہوا ہے۔ ربّ کا نہیں، آیاتِ ربانیہ کا مشاہدہ ہوا ہے۔ یاد کیجئے زمینی سفر کی غایت سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں کیا بیان ہوئی تھی! یہ کہ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا۔ یہ سفر اس لیے کرایا گیا کہ ہم اپنے رسول کو اپنی آیات میں سے چند کا مشاہدہ کرائیں۔ وہاں 'کبریٰ' نہیں آیا۔ وہ زمینی آیات ہیں، وہ بھی اللہ کی نشانیاں ہیں لیکن عظیم ترین آیاتِ الٰہیہ وہ ہیں جو سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپے ہوئے ہیں۔ آیاتِ الکبریٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ فرمایا۔ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۔

یہ تقابل اگر کیا جائے تو غلط نہیں ہوگا اور اگر اس اعتبار سے فضیلتِ محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ثابت کی جائے تو درست ہوگی کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی ایک تجلی جو کوہِ طور پر پڑی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا بھی تحمل نہ کر سکے۔ اور یہاں تجلیاتِ ربانیہ کا سدرۃ المنتہیٰ پر براہِ راست جو نزول ہو رہا ہے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا اور بھرپور انداز میں دیکھا اور ان کا تحمل کیا۔ اس اعتبار سے فرق و تفاوت ثابت ہے۔ لیکن اگر یہاں ذاتِ باری تعالیٰ کے دیدار کو لایا جائے تو یہ بلا سند ہے۔ اس کی قرآن میں سند نہیں۔ حدیث میں سند نہیں۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ اتنی بڑی بات تھی کہ یہاں ضرور اس کی صراحت کر دی جاتی۔ یا حدیث میں ہی اس کی تصریح ہوتی۔ ہاں بعض صحابہؓ کے یہ اقوال کہ آپؐ

شبِ معراج میں دیدارِ الٰہی سے بھی مشرّف ہوئے تھے سند کے ساتھ منقول ہیں۔ لیکن عظیم اکثریت کی رائے یہی ہے کہ شبِ معراج میں حضورؐ کو دیدارِ الٰہی نہیں ہوا جمہور اہلِ سنّت کی بھی یہی رائے ہے۔ اس دنیا میں اللہ تعالےٰ نے انسان کو جو آنکھیں اور ان میں بصارت کی جو صلاحیت رکھی ہے۔ وہ دیدارِ الٰہی کا تحمّل نہیں کر سکتیں۔ یہ رائے رکھنے والے اصحابِ رسول علیٰ صاحبہم الصلوٰۃ والسلام اس کے لیے قرآنِ حکیم کی اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ (الانعام) البتہ جمہور علماء امّت اس بات کے قائل ہیں کہ قیامت کے روز اہلِ ایمان دیدارِ الٰہی سے مشرّف ہوں گے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ بعثِ بعد الموت ان کو وہ بصارت عطا فرمائے گا جو دیدارِ الٰہی کا تحمّل کر سکے گی۔ یہ حضرات علماء اس کے لیے سورۃ القیامہ کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ نیز یہ کہ حدیث میں بھی ہے کہ اہلِ جنّت کے لیے سب سے بڑی نعمت دیدارِ الٰہی ہوا کرے گی۔ میری بھی یہی رائے ہے۔

اب میں اس آیت کے متعلق کچھ عرض کروں گا جس کی تشریح و توضیح میں نے مؤخر کی تھی یعنی اس آیت کی: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ یہ بڑا عجیب مقام ہے۔ یہاں بڑی عجیب کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اس آیت کو سمجھنا آسان نہیں ہے جب تک آپ چند کیفیات کو اچھی طرح جان نہ لیں۔ ہمارے اپنے مشاہدے کے بارے میں ان چیزوں کو نوٹ کیجئے۔ مشاہدے کا شوق ہے اور وہ شوق اتنا ہے کہ حدِ ادب سے بھی تجاوز کرنا چاہتا ہے لیکن ظرف اتنا نہیں ہے کہ دیکھ سکے۔ اردو کا ایک شعر ذہن میں آ رہا ہے۔ جس کا پہلا مصرع اس وقت صحیح یاد نہیں آ رہا ہے

غمِ عمرِ مختصر کا سبب اور کیا بتائیں میرے شوق کی بلندی میری ہمتوں کی پستی

اس بات کو ذرا ذہن میں رکھیئے۔ شوق بہت بلند ہے۔ دیکھنا بہت کچھ چاہتے ہیں لیکن آنکھیں چکا چوند ہو جاتی ہیں، دیکھ ہی نہیں سکتے۔ ظرف نہیں ہے کہ دیکھ سکیں۔ اگرچہ طبیعت میں شوق اتنا ہے کہ حدِ ادب سے تجاوز کے لیے بھی آمادہ ہیں، لیکن دیکھ نہیں سکتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیتِ قرآنیہ: مَا زَاغَ الْبَصَرُ

وَمَا طَغٰی ۔ ان دو متضاد کیفیات کو نہایت بلیغ اسلوب سے بیان کر رہی ہے۔ جیسے عربی کا مقولہ ہے کہ تعرف الاشیاء باضدادھا۔ کسی شے کی حقیقت کو اس کی ضد ( ANTONYM ) کے حوالے سے بخوبی پہچانا جا سکتا ہے جیسے رات کی حقیقت دن کے تقابل سے سمجھ میں آتی ہے اور دن کی حقیقت رات کے تقابل سے سمجھی جا سکتی ہے۔ اب علامہ اقبالؒ کا وہ شعر سُنیئے جو ان کی نظم "ذوق و شوق" میں ہے۔ علامہ کی یہ نظم میرے نزدیک ان کے اردو کلام کی معراج (CLIMAX) ہے۔ اس نظم کے آخری حصّے کا یہ شعر ہے ؎

عینِ وصال میں مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا  گرچہ بہانہ جُو رہی میری نگاہِ بے ادب

دونوں اعتبارات سے جو ضد ہے اسے اقبال اس شعر میں لائے ہیں۔ میری نگاہ میں بے ادبی تھی، میری نگاہ چوری چوری بھی کچھ دیکھ لینا چاہتی تھی جس کا دیکھنا ادب کے خلاف ہے۔ لیکن حوصلۂ نظر نہیں۔ دیکھ نہیں سکتے۔ اس کو ذہن میں رکھیے اور اب یہاں دیکھئے : مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۔ وہ مشا جو محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کر رہے ہیں ۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ وہ مشاہدہ اللہ کا نہیں بلکہ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی کا مشاہدہ ہے۔ لیکن اس مشاہدے کی شان کیا ہے! یہ کہ نگاہ جمی رہی۔ یہ ظرف ہے محمد کا۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم ۔ نگاہیں چکا چوند نہیں ہوئیں۔ جہاں تیز روشنی ہو نگاہیں ان کا تحمل نہیں کر سکیں گی اور آپ نگاہ ہٹائیں گے لیکن وہاں حال یہ ہے کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ ۔ نگاہ کج نہیں ہوئی ٹیڑھی نہیں ہوئی۔ جو کچھ دیکھا ہے نگاہ کو ٹکا کر دیکھا ہے ـــــ جو مشاہدہ کیا ہے، بھرپور کیا ہے۔ پورے ظرفِ کامل کے ساتھ کیا ہے۔ پورے تحمّل کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن : وَمَا طَغٰی ۔ حد سے تجاوز نہیں کیا، بے ادبی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ طَغٰی : طغیانی : حد سے نکلنا ہے دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام  کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں میں رہے

طغٰی، حد سے تجاوز کو کہتے ہیں۔ وہ مقامِ ادب بھی ہے، لہٰذا وہاں حد سے تجا نہیں تھا : العبد عبدٌ وان ترقّٰی والربّ ربٌّ وان تنزّل "بندہ بندہ ہی رہے گا خواہ کتنے بلند مقام تک پہنچ جائے اور رب رب ہی رہے

خواہ کتنا ہی نزولِ اجلاس فرمالے" سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ کر بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ بندگی سے تجاوز نہیں کر رہے ہیں۔ وہاں بھی حال یہ ہے کہ: فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی۔ پس وہاں بھی وحی پہنچائی اپنے بندے کو جو وحی پہنچائی تھی" لیکن عبدہٗ ورسولہٗ کا عالم اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ "نگاہ نہ کج ہوئی، نہ چندھیائی، نہ ہٹی اور نہ ہی اس نے حد سے تجاوز کیا" لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی۔ بلاشبہ اور بالتحقیق انہوں نے اپنے رب کی عظیم ترین آیات کا مشاہدہ کیا" اب ظاہر بات ہے کہ وہ نہ کہنے والی ہیں نہ سمجھ میں آنے والی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو کہہ سکتا ہے لیکن ہماری زبان کے الفاظ تحمل نہیں کر سکتے تھے کلامِ الٰہی نازل تو بہر حال ہماری زبان کے الفاظ میں ہوا ہے۔ یہ الفاظ اس کا تحمل نہیں کر سکتے۔ اس لیے اس کو مجمل رکھا۔ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی ۝

اب یہاں سے میں آپ کو اس حدیث کی طرف دوبارہ لے جا رہا ہوں جہاں سے سدرۃ المنتہیٰ کی بات شروع ہوئی تھی۔ نبی اکرمؐ سے حضرت مالک رضؓ بن صعصعہ آگے روایت کرتے ہیں: ثُمَّ رفعت الی سدرۃ المنتھی "پھر مجھے اٹھایا گیا سدرۃ المنتہیٰ تک" فاذا نبقھا مثل قلال ھجر واذا ورقھا مثل اٰذان الفیلۃ۔ اب حضور سدرۃ المنتہیٰ کی کچھ باتیں ہماری زبان میں سمجھا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں: کہ" اس بیری کے درخت کے بیر تو علاقہ ہجر کے مٹکوں کے سائز کے تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں جتنے بڑے تھے" قال ھٰذا سدرۃ المنتھی۔ "(حضرت جبرئیلؑ نے) کہا یہ ہے سدرۃ المنتہیٰ" فاذا اربعۃ انھار نھران باطنان ونھران ظاھران۔ "میں نے وہاں چار نہریں دیکھیں۔ دو نہریں تھیں جو باطن اور خفیہ طور پر اور دو ظاہر طور پر بہہ رہی تھیں" قلت ما ھٰذا یا جبرئیل؟ "میں نے پوچھا جبرئیل یہ کیا ہیں۔؟" قال اما الباطنان فنھران فی الجنۃ۔ "یہ جو ڈھکی ہوئی نہریں جاری

فالنیل والفرات ـ" اور یہ جو ظاہری نہریں جاری ہیں یہ نیل اور فرات ہیں" یعنی جن کا مادی پرتو ہمیں دنیا میں نظر آتا ہے۔ ثُمَّ رُفِعتُ الی البیت المعمور ـ" پھر مجھے اُٹھایا گیا بیت المعمور تک ـ" یہ بیت المعمور کیا ہے! یہ بھی جان لیجئے۔ یہ درحقیقت ساتویں آسمان پر اللہ تعالیٰ کا جو اصل گھر ہے، جس کا ظل اور سایہ اس دنیا میں خانہ کعبہ ہے۔ یہ ہے بیت المعمور۔ جس کے بارے میں ایک روایت میں آتا ہے کہ اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جو فرشتہ ایک مرتبہ اس میں داخل ہوا ہے اسے آج تک اس میں دوبارہ داخل ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ اسی طریقے سے فرشتے خانہ کعبہ کا بیت الحرام میں طواف کرتے ہیں۔ پھر جان لیجئے کہ یہ ہماری نگاہوں سے مخفی عالم غیب کی ایک دنیا ہے۔ یقیناً اس کا ایک وجود ہے، چاہے وہ ہمیں نظر نہ آئے۔ ثم اتیت باناءٍ من خمر واناءٍ من لبن واناءٍ من عسل ـ "پھر میرے سامنے تین برتن لائے گئے، ایک شراب کا، ایک دودھ کا اور ایک شہد کا"۔ فاخذت اللبن ـ" میں نے دودھ والا پیالہ اُٹھالیا" فقال هی الفطرة انت علیها وامتک ـ"حضرت جبریل نے کہا" یہی مطابق فطرت ہے۔ جس پر آپ بھی ہیں اور آپ کی امت بھی"۔ یعنی انہوں نے نبی اکرمؐ کے انتخاب کی توثیق کی۔ یہی بات اس آیت میں فرمائی گئی ہے۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ـ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی فطرتِ انسانی کا انتخاب فرمایا جس پر اللہ نے پیدا کیا ہے۔ ثم فرضت علی الصلوٰة خمسین صلواة کل یوم ـ" پھر مجھ پر (اور میری امت پر) پچاس نمازیں یومیہ فرض کی گئیں۔" ایک دوسری روایت میں ہے کہ مجھے اس موقع پر تین چیزیں عطا کی گئیں۔ ایک تو پچاس نمازیں ایک دن رات میں فرض ہوئیں اور دوسری سورۃ بقرہ کی آخری دو آیات۔ یہ وہ تحفہ ہے، جو جنت کے خزانوں میں سے امت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ق وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ز غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط لَهَا مَا كَسَبَتْ ط وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَاعْفُ عَنَّا ق وَاغْفِرْ لَنَا ق وَارْحَمْنَا ق اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اور تیسری چیز یہ کہ آپؐ کی امت کے نیکی اور بدی کے حساب میں فرق ہوگا اور آپؐ کی امت کے گناہ کبیرہ بھی بغیر توبہ کے معاف ہوسکیں گے۔ یہ خصوصی تحفے ہیں جو اُمت کے لیے بارگاہِ ربّ العزت سے اس مقام پر شبِ معراج میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئے۔ اس میں اوّل صلوٰۃ ہے۔ یہ معراج میں فرض ہوئی لہٰذا اسی کے متعلق حضورؐ کا ارشاد ہے کہ: الصلوٰۃ معراج المؤمنین "اہلِ ایمان کے لیے یہ نماز بمنزلہ معراج ہے۔"

پھر اسی روایت میں آگے تفصیل آرہی ہے کہ نبی اکرمؐ جب واپسی کے لیے آئے ہیں اور حضرت موسےٰؑ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا "یہ پچاس نمازیں بہت ہیں مجھے تجربہ ہے، تمہاری اُمت اس کا تحمل نہ کرسکے گی۔ واپس جاؤ اور تخفیف کے لیے درخواست کرو۔" حضورؐ گئے۔ دس نمازیں معاف ہوئیں چالیس رہ گئیں۔ پھر یہی بات ہوئی اور پھر حضرت موسےٰؑ نے حضورؐ کو واپس بھیجا۔ پھر تیس ہوئیں، پھر گئے، بیس ہوگئیں، پھر تشریف لے گئے تو دس رہ گئیں۔ حضرت موسےٰؑ نے پھر بھیجا تو پانچ رہ گئیں۔ حضرت موسےٰؑ نے اس پر بھی کہا کہ پھر جاؤ اور مزید تخفیف کے لیے درخواست کرو۔ یہ بھی تمہاری اُمت کے لیے بھاری ہوں گی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اب مجھے شرم آتی ہے اتنی مرتبہ جاچکا ہوں اب مزید جانے میں حیا محسوس کررہا ہوں۔ لہٰذا میں اسی پر راضی ہوں اور اس معاملے کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب میں موسیٰؑ کے پاس سے واپسی کے لیے روانہ ہوا تو ایک ندا کرنے والے کی ندا آئی کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) میں نے اپنا فرض کو تخفیف کردیا

ہے اور اپنے بندوں کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔" ایک دوسری متفق علیہ روایت کے آخر میں اس کا ذکر ہے کہ اللہ کے ہاں یہ پانچ نمازیں ہی اجر و ثواب کے حساب سے پچاس نمازوں کے مساوی ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں قول بدلا نہیں جاتا۔" میں نے حدیث کے بقیہ حصّے کا یک جا ترجمہ اور ترجمانی بیان کر دی ہے۔ اب متن بھی سُن لیجئے: فرجعت الی موسیٰ فقال بما امرت قلت امرت بخمس صلوٰت کل یومٍ قال ان امتك لاتستطیع خمس صلوات کل یوم و انی قد جربت الناس قبلك وعالجت بنی اسرائیل اشد المعالجة فارجع الی ربك فسله التخفیف لامتك قال سئلت ربی حتّٰی استحییت ولکنی ارضی واسلم قال فلما جاوزت نادی منادا مضیت فریضتی وخففت عن عبادی۔

یہ روایت ہے جو متفق علیہ ہے اور میں نے کوشش کی ہے کہ اس روایت کا ہر لفظ اور اس کا ترجمہ و ترجمانی ساتھ ساتھ کرتا جاؤں۔ الحمد للہ یہ کام مکمل ہوا۔ واقعہ معراج کے متعلق روایات کثیر ہیں۔ جنّت و دوزخ کے جو مشاہدات کرائے گئے وہ دوسری روایات میں مذکور ہیں لیکن اسناد کے اعتبار سے کسی دوسری روایت کا وہ درجہ اور مرتبہ نہیں ہے جو اس روایت کا ہے۔ اسی روایت کے بیان کے دوران میں نے متفق علیہ اور مسلم شریف کی بعض روایات بھی آپ کو سنائی ہیں۔ یہ ہے، معراج کا واقعہ۔

دوسری روایت میں آتا ہے کہ پھر حضورؐ واپس مسجد اقصا تشریف لائے ہیں۔ وہاں سے براق پر مکّہ مکرمہ مراجعت ہوئی ہے۔ میں چند دوسری روایات کی روشنی میں عرض کر چکا ہوں کہ وقت بالکل نہیں گزرا۔ وقت کہیں روک دیا گیا ہے۔ پوری کائنات کو کہیں تھام دیا گیا ہے۔ یہ بات تو وہ ہے جو آج سے پہلے بھی سمجھ میں آسکتی تھی کہ شاید کسی ایک وقت پر پوری کائنات کو روک دیا گیا ہو۔ کسی کے لیے بھی وقت بالکل نہ گزرا ہو۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس وقت تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ سب کے لیے وقت گزر رہا ہو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے لیے نہ گزرے۔ لیکن یہ بات زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ اس پورے سفر کے لیے وقت کی رفتار کو روک دیا گیا ہو۔ اس موقع پر یہ مصرع ذہن میں آگیا کہ ؎

"آگے بڑھو یا وقت کی رفتار روک دو"

تو یہ وقت کی رفتار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے روک دی گئی تھی۔ واللہ اعلم۔

اس واقعہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک مجمع میں سنایا تو اس پر جو ردِّ عمل اور جو ہنگامہ ہونا تھا، وہ ہوا۔ یہاں تک بھی ہوا ہے کہ بعض مومنینِ صادقین متزلزل، متردّد اور متذبذب ہو گئے۔ مشرکینِ مکہ نے بغلیں بجائیں کہ اب ہمیں بڑا سنہری موقع مل گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک تو شک ہی کی بات تھی کہ (نقل کفر، کفر نہ باشد) اُن کو کچھ خلل دماغ کا عارضہ ہے۔ اب تو ثابت ہو گیا۔ اب تو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ آپ حضرات خود اس کا اندازہ کیجئے کہ یہ واقعہ مکہ میں مجمع عام میں بیان کیا جا رہا ہے جہاں منکرینِ نبوّت کی عظیم ترین اکثریت ہے۔ وہاں کیسی ہنگامہ آرائی ہوئی ہوگی! مشرکین کی جانب سے امتحانی سوالات کیے گئے۔ اچھا! یہ بتاؤ کہ مسجد اقصا کے ستون کتنے ہیں؟ وہاں کی کھڑکیاں کیسی ہیں؟ فرش کیسا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ میں گھبرا گیا۔ اس لیے کہ کس کو یاد رہتا ہے۔ مسجد اقصا میں جا کر حضورؐ ستون تو نہیں گن رہے تھے۔ لیکن یہ کہ جب پوچھا جا رہا ہے تو ہو سکتا ہے کہ مجمع میں تالی پٹ جائے کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے مسجد اقصا کو ظاہر کر دیا۔ اب میں دیکھ دیکھ کر بتا رہا ہوں اور لوگ دنگ ہو رہے ہیں۔" بخاری اور مسلم دونوں میں یہ روایت موجود ہے کہ: عَنْ جَابِرٍؓ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَمَّا كَذَّبَنِيْ قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَى اللّٰهُ لِيْ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ اٰيَاتِهٖ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا کہ جب مجھ کو قریش نے (واقعہ معراج پر) جھٹلایا تو میں حجر میں کھڑا ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے ظاہر فرما دیا۔ میں نے ان کو اس کی نشانیاں بتانی شروع کر دیں اور میں ان کو دیکھتا جاتا تھا۔"

اب دیکھئے یہ مشاہدہ ۔ میں نے عرض کیا تھا کہ نبی اکرمؐ کو بے شمار مشاہدات کرائے گئے ہیں۔ بیت المقدس سامنے لے آیا جاتا ہے۔ جنت سامنے لے آئی جاتی ہے۔ جہنم سامنے لے آئی جاتی ہے۔ مسجد اقصا کے مشاہدے سے حضورؐ نے ہر سوال کا جواب دیا۔ اسی ضمن میں وہ واقعہ آتا ہے کہ چند لوگ دوڑے دوڑے حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ پالا ہم مار لیں تو پھر ہماری جیت ہے۔ ابوبکرؓ کو اگر ہم متزلزل کر دیں تو پھر گویا ہمارے لیے کوئی اور PROBLEM نہیں رہے گا۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی سُن کر ایک مرتبہ تو جھرجھری لی ہے لیکن آنے والوں سے صرف ایک سوال کیا وہ یہ کہ "کیا واقعی وہ یہ فرما رہے ہیں۔؟" لوگوں نے خوش ہو کر اور تالیاں بجا کر کہا، ہاں ہاں وہ یہ کہہ رہے ہیں، چلو ہم تمہیں اپنے ساتھ لے چلتے ہیں۔ اپنے کانوں سے سُن لو۔ انہوں نے سمجھا کہ ہمارا وار کارگر ہوا ہے۔ واقعی کوئی تزلزل ہے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اس سوال کے بعد جواب یہ دیا۔" لوگو! اگر وہ کہہ رہے ہیں تو صدفی صد درست کہہ رہے ہیں۔ میں یہ مانتا ہوں کہ روزانہ فرشتہ انؑ کے پاس آتا ہے تو اگر ایک مرتبہ انہیںؐ آسمان پر لے جایا گیا تو یہ کون سی بڑی شے ہے۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔" یہ دن ہے کہ جس دن سے بارگاہِ رسالتؐ سے ابوبکرؓ کو صدیق کا خطاب عطا ہوا اور اسی روز سے ابوبکر صدیقِ اکبر شمار ہوتے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

---

# استدراک

(از قلم: جمیل الرحمٰن)

تقریر کا آخری کچھ حصہ ٹیپ ہونے سے رہ گیا۔ چونکہ کیسٹ ختم ہو گیا تھا۔ بہرحال بات مکمل ہو گئی تھی۔ ذیل میں وہ چند احادیث پیش کی جاتی ہیں جن کا حوالہ اس خطاب میں آیا ہے۔

## رُؤیت باری تعالےٰ کے متعلق حدیث

عَنْ جَرِیْرٍؓ بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم انکم سترون ربکم عیانا وفی روایۃ قال کنا جلوسا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنظر الی القمر لیلۃ البدر فقال انکم سترون ربکم کما ترون ھذا القمر ولا تضامون فی رؤیتہ فان استطعتم ان لا تغلبوا علی صلوٰۃ قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا فافعلوا ثم قرأ وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا۔ (متفق علیہ)

"جریرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے پروردگار کو جیاں دیکھو گے۔ ایک روایت میں ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، چودھویں رات کے چاند کی طرف آپؐ نے دیکھا۔ فرمایا تم اپنے رب کی طرف دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیکھنے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتے ہو۔ اگر تم اس بات کی طاقت رکھو کہ تم سورج نکلنے اور غروب ہونے سے پہلے نماز پر غلبہ نہ کیے جاؤ تو ایسا ضرور کرو۔ پھر یہ آیت پڑھی "اور تسبیح بیان کرو اپنے پروردگار کی سورج نکلنے اور غروب ہونے سے پہلے"

## حضرت ابنِ شہابؒ کی واقعہ معراج سے متعلق طویل روایت کے آخری حصہ کا ایک درمیانی اقتباس

فقال ارجع الی ربک فان امتک لا تطیق ذالک فرجعت فقال ھی خمس وھی خمسون لا یبدل القول لدی فقال راجع ربک فقلت استحییت من ربی ...
(متفق علیہ)

"(پانچ نمازیں فرض ہونے کے بعد) حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ پھر اپنے ربّ کی طرف لوٹو کیونکہ تمہاری امّت اس کی (بھی) طاقت نہیں رکھے گی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ یہ پچاس میں سے پانچ ادا کے لحاظ سے ہیں مگر ثواب کے لحاظ سے پچاس ہیں اور میرا قول تبدیل نہیں ہوتا۔ میں موسےٰؑ کے پاس آیا۔ انہوں نے پھر لوٹنے کو کہا۔ میں نے

کہا کہ اب مجھے حیا آتی ہے۔" (متفق علیہ)

## حضرت ثابت البنانی رحؒ کی طویل روایت کا آخری حصے کا اقتباس

قال فلم ازل ارجع بین ربی وبین موسیٰ حتیٰ قال یا محمد انهن خمس صلوات کل یوم ولیلة لکل صلوٰة عشر فذالک خمسون صلوٰة من هم بحسنة فلم یعملها کتبت له عشرا ومن هم بسیئة فلم یعملها لم تکتب له شیئًا فان عملها کتبت له سیئة واحدة قال فنزلت حتی انتهیت الی موسیٰ فاخبرته فقال ارجع الی ربک فسله التخفیف فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقلت قد رجعت الی ربی حتی استحییت منه (رواہ مسلم)

"حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں مسلسل آمد و رفت میں رہا، اپنے رب اور موسےٰ کے درمیان۔ اللہ نے فرمایا اے محمد! یہ پانچ نمازیں ہیں، دن اور رات میں۔ دن رات میں ہر ایک نماز کے بدلے دس نمازوں کا ثواب ملے گا۔ اس طرح پچاس ہوئیں۔ جس شخص نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہ کیا اس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر اس نے عمل کر لیا تو اس کو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اور جس نے برائی کا ارادہ کیا اور عمل نہ کیا تو اس کے لیے کچھ نہ لکھا جائے گا اور اگر عمل کیا تو صرف ایک ہی گناہ لکھا جائے گا۔" آپؐ نے فرمایا "میں اترا اور میں موسےٰ کے پاس پہنچا اور میں نے موسیٰ کو خبر دی تو موسےٰؑ نے کہا اپنے رب کے پاس جاؤ اور اس سے تخفیف کا سوال کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں اپنے رب کے پاس گیا یہاں تک کہ میں نے حیا کی۔"

## حضرت عبداللہ ابن مسعود رضؓ کی سدرۃ المنتہیٰ کی کیفیت اور معراج کے تحفوں سے متعلق حدیث

وعن عبد اللہ بن مسعود رضؓ قال لما اُسری

برسول الله صلى الله عليه وسلم، انتهى به الىٰ سدرة المنتهىٰ وهي في السماء السادسة اليها ينتهي ما يعرج به من الارض فيقبض منها واليها ينتهي ما يهبط به من فوقها فيقبض منها قال اذ يغشى السدرة ما يغشىٰ قال فراش من ذهب قال فاعطي الصلوٰت الخمس واعطي خواتيم سورة البقرة وغفر لمن لا يشرك بالله من امته شيئاً المقحمات۔ (رواہ مسلم)

"عبداللہ ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت لے جایا گیا اور بھیجا گیا آپؐ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف اور سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان میں ہے۔ زمین سے جو چیز چڑھائی جاتی ہے وہ سدرہ تک پہنچتی ہے۔ وہاں سے لے لی جاتی ہے اور اوپر سے سدرہ تک وہ چیز پہنچتی ہے جو زمین کی طرف اتاری جاتی ہے اور سدرہ کے متعلق انہوں نے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ۔ پھر ابنِ مسعودؓ نے کہا کہ وہ سونے کے پروانے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین چیزیں دیئے گئے۔ پانچ نمازیں اور سورۂ بقرہ کا آخر اور اس شخص کو بخش دیا گیا جس نے شرک نہ کیا اللہ کے ساتھ اس کی امت سے کچھ اور بخش دیئے گئے کبیرہ گناہ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین


## احباب نوٹ فرمائیں!

یکم مئی سے ادارہ نشر القرآن کے تحت ڈاکٹر اسرار احمد کے خطابات و دروس کی کیسٹوں کی قیمت حسب ذیل شرح سے معین ہوگی۔

سی ٦٠ (C 60) =/٢٨ روپے فی کیسٹ۔
سی ٩٠ (C 90) =/٣٢ 〃 〃 〃

امپورٹ ۔ ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

# رین بو انٹرنیشنل

برآمدی اشیاء

آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس ❊ بیڈ شیٹس
کاٹن کلاتھ ❊ کاٹن گارمنٹس ❊ احرام تولیہ ❊ تولیہ
ہینڈی کرافٹس ❊ لکڑی کا فرنیچر ۔

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ ❊ سٹکر فلم ❊ سوچ سٹارٹر
ربڑ لیٹکس ❊ پولیسٹر ریان ۔

مرکزی دفاتر

I فلور غلام رسول بلڈنگ ۶ شاہراہِ قائدِ اعظم لاہور
ذیلی دفاتر:۔ کراچی ۔ فیصل آباد ۔

خطاب ۲

ڈاکٹر اسرار احمد

# اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصوّر

(گذشتہ سے پیوستہ)

بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَ اٰخِرَہٗ

میں نے عرض کیا تھا کہ شفاعت مطلقہ کا جو تصوّر اور عقیدہ عام طور پر ہمارے یہاں رائج ہے، باطل ہے ___ جس شفاعت کا قرآن اور احادیث میں ذکر ہے وہ مشروط ہے۔ اتنا موقع نہیں کہ میں اس موضوع پر تفصیل سے کچھ عرض کروں۔ اس موضوع پر "حقیقت و اقسامِ شرک" پر میری تقاریر میں مفصّل بحث ہوئی ہے۔ یہاں اتنا عرض کرنے پر کفایت کروں گا کہ قرآن نے اصلاً تو شفاعت کی نفی کی ہے۔ جہاں اس کا اثبات ہے وہاں شرائط بھی بیان کر دی ہیں۔ شفاعت کی کامل نفی سورہ البقرہ کی آیات نمبر ۴۸، ۱۲۳ اور ۲۵۴ میں بیان ہوئی ہے جو میں پچھلے جمعہ کی تقریر میں پیش کر چکا ہوں۔ پہلی اور دوسری محولہ آیات میں تو یہود کو خطاب کر کے شفاعت کی ان الفاظ میں نفی کلی کی گئی ہے:

وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ○

اور وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ○

آخر الذکر آیت میں اہل ایمان کو متنبہ کیا گیا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۴۴ میں بطور کلیہ فرمایا گیا:

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (القرآن)

"اے نبیؐ! کہہ دیجئے کہ شفاعت تو کُل کی کُل اللہ تعالیٰ کے اپنے اختیار میں ہے، جس کے لئے آسمانوں اور زمین یعنی اس کل کائنات کی بادشاہی اور حکومت ہے۔"

سورہ الانعام کی آیت ۷۰ میں نہایت پُرجلال اور پُرہیبت اسلوب سے شفاعتِ مطلقہ و باطلہ کی تردید کی گئی ہے۔ فرمایا:-

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ

"چھوڑ دو ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی فریب میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔ ہاں مگر یہ قرآن سنا کر نصیحت اور تنبیہ کرتے رہو کہ کہیں کوئی شخص اپنے کئے کرتوتوں کے وبال میں گرفتار نہ ہو جائے اور گرفتار بھی اس حال میں ہو کہ اللہ سے بچانے والا کوئی حامی و مددگار اور کوئی سفارشی اس کے لئے نہ ہو۔"

پھر سورہ السجدہ کی آیت نمبر ۴ میں فرمایا گیا:

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ

قرآن حکیم میں جس شفاعت کا ذکر ہے اس میں تین شرائط بیان ہوئی ہیں۔ ایک اِذن (اجازت)۔ دوسرے رضا (پسند) اور تیسرے صواب (صحیح و حق بات) آیۃ الکرسی تو مجھے توقع ہے کہ ہم سب کو یاد ہوگی۔ وہاں فرمایا:—

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ

"کون ہے وہ جو اللہ کے سامنے شفاعت کر سکے اس کی اجازت کے بغیر۔"

اس استفہامی اسلوب کے تیور پہچانئے۔ اسی آیت میں آگے فرمایا:

| | |
|---|---|
| يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ | "وہ جانتا ہے جو لوگوں کے سامنے اور انکے پیچھے ہے"! |

یعنی ہر بات اس کے علم کامل میں موجود ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ جو کچھ کہ ہو چکا اور گزر چکا وہ بھی اس کے علم میں ہے اور جو کچھ ہونے اور گزرنے والا ہے، وہ بھی اس کے علم کامل میں موجود ہے۔ سورۃ الانبیآء کی آیت ۲۸ میں فرشتوں کے بارے میں فرمایا:

| | |
|---|---|
| يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ۝ | "جو کچھ ان کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اس سے بھی وہ باخبر ہے۔ وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے۔ بجز اس کے جس کے حق میں سفارش سننے پر اللہ راضی ہو اور وہ اس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں۔" |

اس آیت مبارکہ میں اذن کے ساتھ 'رضا' کا ذکر بھی آگیا۔ ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا کہ جن کو شفاعت کی اجازت ملے گی وہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کی ناراضگی سے خوف زدہ ہوں گے کہ کہیں ایسے شخص کی شفاعت نہ ہو جائے جس کی معافی اللہ کو منظور نہ ہو۔ سورہ طٰہٰ میں اس بات کو بایں الفاظ بیان فرمایا گیا ہے:۔

| | |
|---|---|
| يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا | "اس روز شفاعت کارگر نہ ہوگی اِلّا یہ کہ کسی کو رحمٰن اس کی اجازت دے اور اس کی بات سننا پسند کرے۔" |

اس آیت میں بھی اذن اور رضا دونوں کا ذکر ہو گیا۔ پھر یہاں بھی اگلی آیت میں اپنے علم کامل کا ذکر فرما دیا گیا تاکہ یہ مغالطہ نہ ہو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے علم میں معاذ اللہ کوئی کمی ہے۔ فرمایا:

لِيَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۔

سورہ النبا کی آیت ۳۸ میں اذن اور صواب کا تذکرہ فرمایا :۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا۔

"جس روز روح اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بولے گا سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے اور جو ٹھیک بات کہے"

اب آئیے احادیثِ نبویہ کی طرف ۔ صرف دو حدیثیں پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ دونوں حدیثیں حضرتِ ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كل امتی یدخلون الجنۃ الا من ابی۔ قیل ومن ابی۔ قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابی۔ (رواہ البخاری و مسلم)

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " میری امت کے تمام افراد جنت میں داخل ہوں گے سوائے اس شخص کے جو (داخل ہونے سے) انکار کرے گا آپؐ سے پوچھا گیا (یا رسول اللہ) کون انکار کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی، وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے میری نافرمانی کی (تو گویا اس نے جنت میں داخل ہونے سے) انکار کر دیا ـــــ" (بخاری و مسلم : متفق علیہ)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (وفیہ) تردون علی غرا محجلین من اثار الوضوء ولیصدن عنی طائفۃ منکم فلا یصلون فاقول

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میرے پاس اس حالت میں آؤ گے کہ وضو کے سبب تمہاری پیشانیاں روشن ہونگی اور تمہارے ہاتھ پاؤں چمکتے

| | | |
|---|---|---|
| یا رب ھٰؤلاء من اصحابی | | ہوں گے۔ تم میں سے ایک جماعت |
| فیجیبنی ملك فیقول وھل | ترجمہ | کو میرے پاس آنے سے روک دیا |
| تدری ما احدثوا بعدك | | جائے گا۔ میں عرض کروں گا۔ |

اے میرے رب یہ تو میرے دوست ہیں۔ اس کے جواب میں مجھ سے کہا
جائے گا کہ آپؐ کو معلوم بھی ہے آپؐ کے بعد انہوں نے کیا کیا کیا ہے۔"

میدانِ حشر میں آفرینش عالم سے لے کر تا قیامِ قیامت کی تمام بنی نوعِ انسان حاضر ہوگی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام انسانوں کے سامنے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے علو مقام اور مرتبہ کے اظہار کے لئے آپؐ کو بالخصوص شفاعت کا مجاز کیا جائیگا۔ اسی طرح دوسرے انبیاء و رسل اور جملہ امم کے صدیقین، شہداء اور صالحین کے مرتبہ کے اظہار کے لئے ان کو بھی شفاعت کی اجازت ہوگی ـــ لیکن یہ تمام شافعین صرف ایسے لوگوں ہی کی شفاعت کریں گے، جن کی معافی اور مغفرت کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت مطلقہ اور علم کامل میں پہلے سے موجود ہوگا اور جن کا معاملہ یہ ہوگا کہ امتحان میں کامیاب ہونے میں قلیل MARGIN سے رہ گئے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

میں عرض کر رہا تھا کہ اسلام نے انسانی جذبات کو تعمیر سیرت و کردار کے لئے دو اساسات عطا کی ہیں۔ پہلی محبت کی مثبت اساس، محبت اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی ـــ اور اللہ کی راہ میں جہاد کی ـــ جہاد کے متعلق ان شاء اللہ آج بعد مغرب جناح ہال میں مفصّل گفتگو ہوگی۔ یہ جہاد کیا ہے! نظامِ عدل و قسط کو دنیا میں قائم کرنے کی جدوجہد کی ہمارے دین میں اہمیت کیا ہے؟ اور اس کا تعلق قرآن حکیم اور ہمارے دین کے مجموعی مزاج و نظام سے کیا ہے؟ اس کا تو، جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ مرکزی انجمن خدام القرآن کی دس سالہ تقریب کے افتتاحی اجلاس میں آج رات کو ان شاء اللہ بیان ہوگا ـــ

اب میں آج کی گفتگو کو مزید آگے بڑھاتا ہوں ـــ اللہ اور اس کے رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبت پیدا کرنا اور آخرت کا خوف دل میں قائم کر دینا

ان دونوں کو جمع کیجیے تو اس کی صحیح تعبیر یوں ہوگی کہ معاشرے کی اصل ضرورت تجدید ایمان کی ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ حقیقی ایمان درکار ہے۔ گویا تمام گفتگو کا حاصل یہ نکلا اور بیر پھیر کر بات یہاں پہنچی کہ تعمیر سیرت و کردار کے لئے ہمارے معاشرے کی اصل ضرورت یہ ہے کہ قلوب میں حقیقی ایمان پیدا ہو ـــــ اس ضمن میں آج میں ایک دقیق اور پیچیدہ بحث آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور آپ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ توجہات کو میری گفتگو پر خوب مرتکز فرمالیں۔ گو کہ اس مسئلہ پر پچھلے جمعہ کو بھی گفتگو ہو چکی ہے لیکن میں چاہوں گا کہ مزید گہرائی میں اتر کر اس کو زیادہ سے زیادہ قابل فہم بنانے کی کوشش کروں۔

ایک نہایت اہم سوال یہ ہے کہ اس ایمان کا سرچشمہ اور منبع کون سا ہے؟ ایمان ملتا کہاں سے ہے؟ اس ایمان کے لئے رجوع کدھر کریں؟ میں چاہتا ہوں کہ سوالات کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح Thrash کرکے آپ اچھی طرح سمجھ لیں۔ اس کو آپ خطیبانہ یا جذباتی وعقیدتمندانہ انداز میں نہیں بلکہ میری خواہش ہے کہ اس بات کو آپ تجزیاتی (Analytical) انداز میں سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔

یہ بات جان لیجئے کہ ایمان کے دو ہی ذرائع اور مآخذ (Sources) ممکن ہیں۔ تیسرا کوئی نہیں۔ ایک ذریعہ (Source) ہے صحبت صاحب یقین، ع صحبت صالح ترا صالح کند۔ کسی صاحب ایمان ویقین کی صحبت میسر آجائے تو آپ میں بھی ایمان پیدا ہو جائے گا۔ یہ بالکل وہ طبعی عمل ہے۔ جیسے آپ آگ کی بھٹی کے سامنے بیٹھیں گے تو حرارت خود بخود آپ میں سرایت کرے گی۔ اگر آپ کسی سردخانے میں ہیں تو اس کی برودت اور ٹھنڈک آپ کو بالفعل پہنچے گی۔ ہو ہی نہیں سکتا کہ بھٹی واقعی آگ کی بھٹی ہے اور اس میں حقیقی آگ روشن ہے۔ یا سردخانے میں ٹھنڈک کا فی الواقع انتظام ہے تو حرارت یا برودت آپ کو محسوس نہ ہو اور اس کے اثرات آپ پر مترتب نہ ہوں۔ صورتِ آگ اور صورت سردخانہ نہ ہو۔ جیسے کہ آج کل مصنوعی آگ اور مصنوعی برف اس

طرح بنائی جاتی ہے کہ اصل و نقل میں تمیز و امتیاز اور فرق مشکل ہو جاتا ہے۔ بلکہ حقیقی آگ اور حقیقی برف ہو تو لازماً ان سے حرارت یا برودت ماحول میں سرائت کرتی ہے ۔ تو صاحب یقین و ایمان سے واقعتہً یقین و ایمان پیدا ہوتا ہے ۔ البتہ اس میں دو باتیں قابل لحاظ ہیں جن کا پیش نظر رہنا ضروری ہے ۔ ظاہر بات ہے کہ جس نوع کی وہ بھٹی ہے اسی نوعیت کا ایمان آگے پہنچے گا۔ اب یہ بات جان لیجئے کہ کامل ایمان و یقین کی بھٹی تو تھی ذات محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ۔ وہ ایمان جو ہر پہلو سے مکمل ہی نہیں اکمل ہے ۔ وہ ایمان جس میں شعوری و اکتسابی پہلو بھی شامل ہے ۔ ذہن میں رکھئے کہ غار حرا کی خلوتوں میں جو غور و فکر ہوا ہے تو انسان کی اپنی فکر کی جو بلندی ہے ، جہاں تک اس کے اپنے غور و فکر کی رسائی ممکن ہے وہاں تک آپؐ ان خلوتوں میں پہنچ گئے ہیں ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ، اور اس مقام پر کھڑے گویا دستک دے رہے ہیں کہ جس سے آگے جب تک وحی کا دروازہ نہ کھلے انسان کی رسائی ممکن نہیں ہے ۔ اس مقام تک پہنچنے کے بعد وحی کا دروازہ کھلا ہے ۔ یہاں اچانک علامہ اقبال کا ایک شعر ذہن میں آگیا ۔ اسے بطور تفہیم اور بلا تشبیہہ آپ کو سنا دیتا ہوں ۔ اس شعر کو بلا تشبیہہ سامنے رکھئے گا ۔ کہیں اسے من عن چسپاں نہ کر دیجئے گا ۔ شعر ہے :

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں ! میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

اس شعر کے حوالے سے دو مرحلے سامنے آجائیں گے ۔ پہلا یہ کہ فکر انسانی اپنی اس بلندی تک پہنچ گئی ہے جہاں تک اس کی رسائی ممکن ہے اور اس مقام تک پہنچ کر حقیقت الحقائق کے دروازے پر دستک دے رہی ہے اس کے آگے کا مرحلہ خالص وہبی ہے وہ خالص اللہ کا فیصلہ اور اس کی مشیت ہے اس کا تعلق انسان کے اپنے ذاتی اکتساب اور ذاتی محنت سے نہیں ہے ۔ وہ مرحلہ اجرائے وحی کا مرحلہ ہے جیسے سورۃ الضحٰی میں فرمایا : وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ٥ " اور اے نبیؐ ہم نے آپؐ کو تلاش حقیقت میں سرگرداں و متلاشی پایا تو ہم نے پردے اٹھا دیئے اور ہدایت کے دروازے کھول دیئے

اور جس کے متعلق سورہ الشوریٰ کی آخری دو آیات میں فرمایا:

| | |
|---|---|
| وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ | " اسی طرح (اے نبیؐ!) ہم |
| رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ | نے اپنے حکم سے ایک روح |
| تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ | تمہاری طرف وحی کی ہے تمہیں |
| وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا | کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی |
| نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ | ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے۔ مگر |
| عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى | اس روح کو ہم نے ایک روشنی |
| صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ | بنا دیا جس سے ہم راہ دکھاتے |
| اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ | ہیں اپنے بندوں میں سے جسے |
| وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ | چاہتے ہیں اور تم سیدھے راستے کی |
| تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝ | رہنمائی کر رہے ہو۔ اس اللہ |

کے راستے کی طرف جو زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا مالک ہے۔ خبردار رہو۔ سارے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔"

پھر وہ وقت بھی آیا کہ خاتم النبیین و سید المرسلین کو معراج عطا ہوئی اور آپؐ کو عالم ملکوتی کی بنفسِ نفیس سیر کرائی گئی جیسے کہ بیان ہوا سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں:

| | |
|---|---|
| سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى | "پاک ہے وہ جو لے گیا ایک |
| بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ | رات اپنے بندے کو مسجد حرام |
| الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى | سے دور اس مسجد تک جس |
| الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ | کے ماحول کو اس نے برکت دی |
| لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ | ہے تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں |
| هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ | کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں |
| | وہی ہے سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا" |

اور پھر جس کا مختصر لیکن انتہائی بلیغ نقشہ سورہ النجم کی آیات نمبر ۱۱ تا ۱۸ میں کھینچا گیا۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۙ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰی ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۝

"اور ایک مرتبہ پھر اسؐ نے سدرۃ المنتہٰی کے پاس انہیںؐ مشاہدہ ہوا جہاں پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ اس وقت سدرہ پہ چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ نگاہ نہ چندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں"

___ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان دو مراحل سے گزرے ہیں کہ انسان اپنے شعور کی بدولت فکر کے جس انتہائی بلند مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ آں حضورؐ اس بلندی تک پہنچے اور حقیقت الحقائق کے دروازے پہ دستک دی۔ چنانچہ پردے اٹھا دیئے گئے۔ دروازے کھول دیئے گئے۔ اور خالصتہً وہبی طور پہ نبوت و رسالت کی آخری و بلند ترین مسند پہ فائز فرمائے گئے۔ پس یہ ہے ایمان جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ اس ایمان کی بھٹی سے جو فیضیاب ہوئے ہیں، ان کا معاملہ تو واقعتہً استثنائی (Exceptional) ہے۔ اصحابِ رسولؐ علیٰ صاحبہم الصلوٰۃ والسلام والا ایمان تو اب دنیا میں دوبارہ آ ہی نہیں سکتا۔ اس لئے آں حضورؐ کے ایمان کی بھٹی نہ اب دنیا میں موجود ہے اور نہ آپؐ کے فیض صحبت سے جو ایمان صحابہ کرامؓ کو حاصل ہوا وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد ہے البتہ بعد کے ادوار میں کچھ اصحاب نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ انسان اپنی خوش عقیدگی اور اپنے اعمال صالحہ کے ذریعہ بھی ایمان حاصل کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس کو اس طرح سمجھیئے کہ اگر دل میں حقیقی ایمان یا اس کی کوئی رمق موجود ہے تو وہ لازماً عمل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ بالکل یہی معاملہ برعکس بھی ہوتا ہے یعنی جو اعمال شریعت نے اہل ایمان کو عطا کئے ہیں، اگر ایک شخص بالدوام [illegible]

گا تو اس سے بھی دل میں ایمان پیدا ہو گا۔ اس کو جلا اور نشو و نما حاصل ہو گی۔ اس میں نکھار آئے گا۔ یہ دو طرفہ عمل ہے۔ پس بعد میں اکتسابِ ایمان کا جو یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور ہمارے ہاں اہلِ تصوّف کے حلقوں نے جو کچھ روحانی ریاضتیں اور مشقتیں اور جو چند اعمال تجویز کئے ہیں ان سے بھی قلبِ انسانی میں ایمان کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں ـــــ میں اس کا انکار نہیں کرتا ـــــ لیکن یہ جان لیجئے کہ اکثر و بیشتر یہ ایک غیر شعوری اور غیر اکتسابی ایمان کا معاملہ ہے۔ ایسے حضرات کی صحبت سے جو ایمان حاصل ہو گا، اس میں بھی شعوری اور اکتسابی ایمان کا حصہ نہیں ہو گا اس طرح وہ ایمان میسّر نہیں آئے گا جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حاصل ہوا تھا۔ بلکہ ایمان اسی نوعیت کا ملے گا کہ جس نوعیت کا اور جس طریقے سے ان اصحابِ یقین کو حاصل ہوا تھا۔ جن کی صحبت سے فیضیاب ہوا جا رہا ہو ـــــ نوعیت اور تاثیر کے لحاظ و اعتبار سے ایسے ایمان میں یکسانیت اور یک رنگی ہو گی۔

اب یہ سوچئے قرآن حکیم کا معاملہ ـــــ جو ایمان کا دوسرا سرچشمہ اور منبع ہے۔ آج میں آپ حضرات کی خصوصی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ خود نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں قرآن مجید کی گواہی کیا ہے! وہ ایمان جو آں حضورؐ کے قلبِ مبارک میں بالقوۃ (Potentially) موجود تھا۔ میرے الفاظ کی طرف آپ کو خصوصی توجہ کرنی ہو گی ورنہ مغالطے میں مبتلا ہو جائیں گے۔ میں نے عرض کیا تھا یہ بڑی دقیق بحث ہے۔ ایک چیز بالقوۃ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قلب میں موجود تھی لیکن اس کا بالفعل وجود میں آنا اور اس کا ایک حقیقت (Actuality) کی شکل اختیار کرنا اس میں اصل دخل قرآن مجید کو حاصل ہے۔ اس کے لئے سورہ الشوریٰ کی آخری میں سے پہلی (آیت ۵۲) کی طرف رجوع کیجئے جو میں پہلے آپ کو سنا چکا ہوں۔ فرمایا

| | |
|---|---|
| كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ | "اے نبیؐ! آپؐ کو تو معلوم نہ تھا |
| رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ | کہ کتاب کسے کہتے ہیں اور ایمان |

تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَ لَا — کسے کہتے ہیں! ـــــــ
الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ
نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ
مِنْ عِبَادِنَا ط وَ اِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ
اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝

اب ذرا غور کیجئے الفاظ اور اسلوب ایسا ہے کہ ذرا سی بے احتیاطی نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔ اس کے مصداق کہ ع ہشدار کہ رہبر دم تیغ است قدم را لہٰذا اس مقام پر بڑے محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ 'کتاب' کے بارے میں تو واضح ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ اس لئے کہ آں حضورؐ پیدا ہوئے مکہ میں اور بنی اسماعیلؑ میں ـــــ ان کے پاس کوئی کتابِ سماوی اور کوئی شریعت نہیں تھی۔ لیکن یہ بات کہ "حضورؐ ایمان کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے تھے" یا یہ کہ "آں حضورؐ کے قلب میں ایمان بھی موجود نہیں تھا" یہ کہتے ہوئے میری زبان لڑکھڑاتی ہے۔ معاذ اللہ! لیکن یہاں الفاظ کا اسلوب اسی مفہوم کا حامل ہے ـــــ میں نے عرض کیا کہ قلبِ مبارک میں ایمان بالقوّۃ (Potentially) موجود تھا لیکن اس کا حقیقی (Actual) شکل اختیار کرنے کے لئے ایک خارجی تحریک کی ضرورت تھی اور وہ وحیِ الٰہی تھی۔ لہٰذا اس آیت سے قبل وحی کی مختلف اقسام کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا:

وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا — "اور اسی طرح (اے محمدؐ!) ہم نے اپنے حکم سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی۔"

یہ وہ نور ہے جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کا آئینہ جگمگا اٹھا۔ قلبِ محمدیؐ میں آئینہ تو موجود تھا۔ اس میں استعدادِ کامل بالقوّۃ موجود تھی لیکن آئینے کے سامنے شمع آئے گی تو وہ جگمگائے گا۔ وہ شمع کونسی ہے! وہ نور کونسا ہے! وہ شمع اور وہ نور یہی **قرآن مجید** ہے۔

مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ — "اے نبیؐ! آپ نہیں جانتے تھے

وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا۔ — کہ کتاب اور ایمان کیا ہے ! لیکن ہم نے اس قرآن کو نور بنایا"[1]

نَھْدِیْ بِہٖ میں "ہٖ" کی ضمیرِ غائب قرآن مجید کے لئے آئی ہے — "اور یہ نور اس لئے بنایا گیا کہ اس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں جس کو چاہتے ہیں ہدایت کے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں" — وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ گھپ اندھیرے میں راستہ دیکھنے کے لئے روشنی (نور) کی ضرورت ہوتی ہے۔ شرک وجاہلیت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے کو دور کرنے اور سیدھی راہ دیکھنے کے لئے نور کی ضرورت تھی۔ جس کے لئے سورۃ الفاتحہ میں انسان کو یہ دعا کرنے کی تلقین کی گئی تھی کہ "اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" تو اس راہ کی راہنمائی کے لئے قرآن مجید نور بنا کر نازل کر دیا گیا ہے — آیت کے اختتام پر فرمایا:

وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ — "اور (اے نبیؐ) یقیناً آپ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنیوالے بن گئے ہیں"۔

اس بات کو یوں بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ "اے نبیؐ! جب آپؐ کے قلب مبارک کا آئینہ قرآن مجید کے نور سے جگمگا اٹھا ہے تو اب آپؐ وہ بھٹی بن گئے ہیں جس سے لوگوں کو نورِ ایمان حاصل ہوگا۔ اب آپؐ لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دینے والے بن گئے — لیکن بنے اسی قرآن

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پر ایمان لانے کے سلسلے میں سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۵ کے اس ابتدائی حصے سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔ نیز سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۵ کے اس درمیانی حصے سے بھی: وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ۔ (مرتب)

مجید فرقانِ حمید کے طفیل۔ یہی ہے وہ نور جس نے آپ کے قلبِ مُصفّا کو جگمگا دیا اور قلب مبارک نورِ ایمان کی بھٹی بن گیا جس سے حرارتِ ایمانی ماحول میں پھیل گئی۔

اب دیکھئے اسی مضمون کو ایک دوسرے اسلوب سے سورہ الحدید کی آیت نمبر ۸ اور ۹ میں بیان کیا گیا ہے:

| | |
|---|---|
| هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی | "وہ اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندے |
| عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ | پر صاف صاف آیتیں نازل کر رہا |
| لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ | ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال |
| اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ | کر روشنی میں لے آئے اور حقیقت |
| لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ | یہ ہے کہ اللہ تم پر نہایت شفیق اور |
| | مہربان ہے |

یہ قرآن مجید ہی کی آیات بیّنات ہی ہیں جو لوگوں کو الحاد کے گھٹا ٹوپ اندھیروں، شرک کے اوہام کے اندھیاروں اور جاہلیت کی تمام تاریکیوں الغرض ہر قسم کے ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ سے نکال کر ایمان، یقین اور توحید کی روشنی میں لاتی ہیں۔ یہ نورِ قرآن ہی ہے جو ہر نوع کی تاریکیوں اور ہر قسم کے اندھیروں کا پردہ چاک کر کے صراطِ مستقیم کو روشن کرتا ہے اور اس منوّر راہ کی رہنمائی کرتا ہے ——!

پس معلوم ہوا کہ اس قرآن حکیم کو اگر ایمان کا سرچشمہ اور منبع نہ بنایا جائے اور صرف چند روحانی ریاضتوں اور مشقتوں اور کچھ اوراد و وظائف اور کچھ اعمال کے ذرائع سے ایمان حقیقی پیدا کرنے پر ہی توجہ مرکوز کر دی جائے تو مطلوبہ ایمان پیدا نہیں ہوگا۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اور اب پھر اعادہ کرتا ہوں کہ میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ یہ ذرائع بالکل غیر مؤثر ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ایک شخص ہے کہ جو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اور اذکارِ مسنونہ و ماثورہ پر دوام کے ساتھ عمل کر رہا ہو اور وہ شخص مراقبے بھی کر رہا ہو۔ ذکر اللہ کی ضربیں بھی اپنے قلب پر لگا رہا ہو تو ان طریقوں سے بھی

دل میں ایمان پیدا ہوتا ہے۔ میں ہرگز اس کا منکر نہیں ہوں۔ لیکن وہ ایمان جو قرآن حکیم میں غور و فکر اور تدبر سے اخذ کیا جائے گا اور اس کے ذریعے وجود میں آئے گا۔ اس ایمان میں اور پہلے ایمان میں نوعیت اور کیفیت (Qulitative) کے اعتبار سے فرق رہے گا۔ وہ ایمان جو ایک بندہ مومن نورِ قرآن سے حاصل یا اخذ کرتا ہے وہ نوعیت کے لحاظ سے بڑا عظیم ایمان ہے چونکہ نورِ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر اسی مقصد کے لئے نازل فرمایا ہے۔ یہ وہ نور ہے جس نے قلبِ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دل میں جو بالقوہ (Potentially) ایمان موجود تھا، اسے بالفعل (Actuality) ایمان بنایا ہے۔ وہی نور درحقیقت سرچشمۂ یقین اور منبع ایمان ہے۔ یہی قرآن فی الواقع صحبتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا قائم مقام ہے[1]۔ اس کی طرف رجوع ہوگا تو درحقیقت فکر کی صحیح اساس ذہن میں قائم ہوگی اور نتیجۃً قلب میں جو شعوری ایمان وجود میں آئے گا وہ ایمان محض Dogma، خوش عقیدگی اور وراثتاً ملنے والا ایمان نہیں رہے گا بلکہ انسان کے فکر و ذہن اور قلب و ذہن کے ساتھ مربوط ہوگا۔ اور ایک پختہ، مضبوط (Integrated) اور مسحور کن شخصیت وجود میں آئے گی کہ جہاں فکر و قلب، عقل و دل اور حکم و نظر یہ سب یک جا ہوجاتے ہیں اور ان میں تضاد نہیں رہتا اور ان میں کوئی تصادم نہیں رہتا بلکہ ان میں باہم پیوستگی اور ربط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

---

[1] نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد جب بعض تابعین یا اصاغرِ صحابۂ کرامؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آنحضورؐ کی سیرتِ مطہرہ کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت صدیقہؓ نے فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے! انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے فرمایا: کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنَ یعنی آپؐ کی سیرت مبارکہ قرآن کے عین مطابق تھی۔ (مرتّب)

اس حقیقی ایمان کے حصول کا ذریعہ قرآن مجید ہے۔ اس سے جس نے ایسا ایمان حاصل کر لیا تو ایسے شخص یا اشخاص کی صحبت کی تاثیر سے جو ایمان پھیلے گا تو اس ایمان میں بھی یہ وصف سرایت کر لیگا اور اگر ایمان دوسری نوعیت کا ہے تو ظاہر بات ہے کہ وہ اگر پھیلے گا تو اسی نوعیت کا پھیلے گا۔ میں اس موقع پر ان جماعتوں کا ذکر کرنا نہیں چاہتا تھا جو تبلیغ دین کے کام کر رہی ہیں۔ لیکن یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ عوامی سطح پر ایمان کی ایک عظیم تحریک ہے جو اس دور میں 'تبلیغی جماعت' کے ذریعے سے چل رہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تحریک سے عملاً وابستگان میں ایمان و یقین کی ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس میں وہی فرق ہے جس کو میں نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ اس یقین و ایمان کے اندر 'فکر' کی ہم آہنگی نہیں ہے۔ اس لئے کہ فکر کی سطح پہ اس تحریک میں بحث ہی نہیں ہے۔ خرد کی گتھیاں سلجھانے کا وہاں کوئی سوال ہی نہیں ہے بلکہ حتی الامکان اسے By Pass اور صرف نظر کرنے کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس تحریک کا اصل الاصول یہ ہے کہ 'ایسا کیوں اور کیسے ہے؟' ان سوالات و اشکالات کو ذہن سے جھٹک دو اور کام کرو ـــــ یقیناً اس طرح بھی بے شمار لوگوں کے دل میں ایمان پیدا ہوا۔ یہ کام بھی بہت قیمتی ہے۔ اس لئے کہ اگر کسی کو ایمان کی ایک رمق بھی نصیب ہو جائے تو اس کی خوش بختی کا کیا کہنا! ہو سکتا ہے کہ ایمان کی یہ رمق اس کا بیڑا پار لگانے کا سبب بن جائے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن ہی نہیں کہ اس تحریک کے ذریعے کثیر تعداد میں لوگوں کی زندگیوں میں تبدیلی آئی ہے۔ کتنی عظیم حرکت ہے جو اس وقت دنیا میں قائم ہے لیکن اس بات کو اچھی طرح جان لیجئے کہ آج کے دور میں جب تک اس دوسری سطح کا ایمان وجود میں نہیں آئے گا جس میں فکر کی ہم آہنگی بھی موجود ہو، جس میں صرف 'دلِ زندہ' نہ ہو بلکہ جس میں عقل بھی روشن ہو اور اس میں صحیح فکر و نظر بھی موجود ہو ـــــ جب تک اس سطح پر تجدید ایمان کی ایک مؤثر تحریک برپا نہ ہو اس وقت تک اس دور میں ہمہ جہتی اسلامی انقلاب وجود میں

نہیں آسکے گا۔ چونکہ اس دور میں عقلیت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور عقلیت پرستی تقریباً ایک دین و مذہب کا مقام حاصل کر چکی ہے۔ اب اگر اعلیٰ علمی سطح پر قرآن کے نورِ ہدایت سے عقل و خرد کی گتھیاں سلجھانے کا اہتمام نہیں ہوگا تو وہ ذہین اقلیت (INTELLECTUAL MINORITY) جو TOP پر بیٹھی ہوئی معاشرے اور نظامِ حیات کا اصل رُخ متعین کرتی ہے، وہ کبھی متاثر نہیں ہوگی اور معاشرے میں اسلامی نقطہ نظر سے کوئی پائیدار و مستحکم تبدیلی نہیں آئے گی۔ ٹھیک ہے کہ عوامی سطح پر بات پھیلتی چلی جائے گی، جیسے ایک بیل زمین پر پھیلتی چلی جاتی ہے۔ لیکن بات ایک انقلاب آفریں جڑ اور تنے کی صورت اختیار نہیں کر پائے گی۔

یہ ہے وہ دقیق بات جو ایمان کے ضمن میں، میں آج آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا۔[1] میں حیران ہوتا ہوں کہ اکثر اوقات کوئی حقیقی شاعر بڑے سادہ الفاظ میں کسی حقیقتِ کبریٰ کو بیان کر دیتا ہے۔ شاید آپ کو معلوم ہو، شاعر لفظِ شعور سے اسم فاعل ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حقیقی شاعر وہی ہوتا ہے جس میں اعلیٰ سطح کا شعور ہو۔ عرب میں جاہلیت کے دور میں تو عقیدہ یہ تھا کہ ان شاعروں کے تابع کوئی نہ کوئی جن ہوتا ہے جو ان سے ایسی دلآویز اور فصیح و بلیغ شاعری کراتا ہے ——

میرا ذہن جب کبھی بھی مولانا ظفر علی خان کے اس شعر کی طرف منتقل ہوتا ہے جو میں اپنی تقاریر میں اکثر سناتا رہا ہوں، تو میں حیران ہوتا ہوں کہ مولانا مرحوم کس کیفیت میں یہ شعر کہہ گئے۔ شعر میں سادگی اور فصاحت دیکھئے اور پھر غور کیجئے کہ اس میں جامعیت اور بلاغت و معنویت کتنی گھمبیر ہے ؎

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

---

[1] اس موضوع کی تفصیلی تفہیم کے لئے ڈاکٹر صاحب موصوف کی تالیفات (۱) مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق اور (۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی صحیح بنیادیں" کا مطالعہ ان شاء اللہ نہایت مفید ہوگا (مرتب)

اس شعر میں لفظ عقل قابلِ غور ہے۔ مولانا مرحوم یہاں یہ لفظ بڑے گہرے شعور اور معنویت کے ساتھ لائے ہیں۔ واقعتہً ایک ایمان وہ ہے جو عقل کو By Pass کر کے حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ صحبت سے مل سکے گا۔ صاحب یقین و ایمان کی صحبت میں آپ بیٹھیں گے تو ایمان آپ کو بھی ملے گا۔ بھٹی کی آگ آپ کو بھی ملے گی۔ لیکن یہ ایمان عقل اور فکر کی راہ سے نہیں آرہا۔ اس میں ذہن و قلب کی ہم آہنگی نہیں ہے۔ جبکہ عالمی فکری و عملی انقلاب کے لئے جو ایمان مطلوب ہے اس میں عقل کی بنیاد موجود ہونی لازمی ہے یہ ایمان دکان فلسفہ سے ہرگز نہیں مل سکے گا بلکہ واقعہ اور حقیقت کبریٰ یہی ہے کہ یہ وہ جنس ہے جو ؎

ڈھونڈھے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے بیماروں میں

یہی وجہ ہے کہ چودھویں صدی کی دو عظیم مبلغ قرآن شخصیتیں میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال مرحوم کو سمجھتا ہوں۔ میں یہ باتیں پہلے بھی کئی بار آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں۔ لیکن آج میں نے ایک دوسرے اسلوب سے یہ باتیں آپ کے سامنے رکھی ہیں۔ میں نے جس اسلوب سے یہ مسئلہ آپ کے سامنے رکھنے کی کوشش کی ہے یہ اسلوب و انداز آپ کو نہ شیخ الہند کے ہاں ملے گا اور نہ علامہ کے ہاں ـــــ حالانکہ میرا گہرا احساس بلکہ سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ چودھویں صدی کی برصغیر ہند و پاک کی حد تک ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے اعتبار سے یہ دونوں محترم شخصیتیں عظیم ترین شخصیتیں ہیں۔ علامہ اقبال کی نابغیت (GENIUSNESS) کا لوہا تو اب جیسے جیسے زمانہ گزر رہا ہے مانا جا رہا ہے۔ بعض اہلِ فکر اس رائے کا اظہار کر چکے ہیں کہ مصر میں شاہ فاروق کا تختہ پلٹنے کی تہہ میں دوسرے عوامل کے ساتھ مؤثر عامل علامہ کا پیغام تھا۔ ایران کے موجودہ انقلاب کے متعلق بھی بعض مفکرین بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ اس انقلاب کا اصل جذبہ علامہ کی شاعری نے فراہم کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جدید دور کے فکر و فلسفہ سے ہم آہنگی کے ساتھ اور اس کی علیٰ وجہ البصیرت تردید کرتے ہوئے عظمت قرآن کے بیان اور اس کی ترجمانی میں علامہ جس بلندی تک پہنچے ہیں

اس میں کوئی ان کا مدِ مقابل نہیں ہے[1] دوسری طرف علماء کے طبقے میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ ہیں۔ وہ مجاہد حرّیت اور وہ درویش جس کے نام سے انگریز لرزتا تھا اور جسے انگریزی حکومت نے جب اسیر کیا ہے تو مالٹا میں رکھا ہے ـــــ میں جب بھی اس کا ذکر کرتا ہوں مجھے اقبال کا یہ شعر یاد آجاتا ہے[1]

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو

شیخ الہند کو گرفتار کر کے ہندوستان میں نہیں مالٹا میں رکھا گیا۔ یہ وہ شخصیت ہیں کہ استاذ العلماء ہیں ـــــ میں آج آپ کو اپنے دل کی بات بتا دوں میں معتقد اور قائل ہوں یا تو امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا ـــــ دورِ صحابہؓ تابعین و تبع تابعین کے بعد میرا گہرا تاثر، احساس اور پختہ رائے یہ ہے کہ عالم اسلام میں علمی اعتبار سے تین عظیم ترین شخصیتیں گزری ہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، امام غزالی رحمہ اللہ اور شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ لیکن ان تینوں کے اندر نسبت یہ ہے کہ شاہ ولی اللہؒ اکیلے مساوی ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ اور امام غزالیؒ کے۔ ان دونوں کے کمالات جس شخص کی ذات میں جمع ہوئے ہیں۔ وہ ہیں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ عالم اسلام کے رجال دین میں شاہ صاحبؒ ہی وہ شخصیت ہیں جن میں امام ابن تیمیہؒ کی عقلیت اور سنّت کے ساتھ تمسک، وہ بھی بکمال و تمام موجود ہے اور امام غزالیؒ کا وہ تصوّف و تفلسف (فلسفہ و منطق) یہ دونوں چیزیں بھی بکمال و تمام موجود ہیں۔ میرے نزدیک یہ ہے مقام امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا۔

ان کے بعد برصغیر پاک و ہند میں طبقہ علماء میں جو عظیم ترین شخصیت پیدا ہوئی ہے، وہ ہیں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی جامعیت کا آپ کو اندازہ کرنا ہو تو آپ کو ان کی تصانیف کا مطالعہ کرنا ہوگا ـــــ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی جامعیت

---

[1] اس موضوع پر ان شاء اللہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی تالیف "اقبال اور ہم" کا مطالعہ مفید ہوگا۔ (مرتّب)

کا آپ کو اندازہ کرنا ہو تو آپ کو ان کے تلامذہ کو دیکھنا ہوگا۔ ان کے تلامذہ میں ایک طرف تو مجاہدین حریت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی ہیں، رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ جیسی سیماب وش شخصیت ہیں۔ جنکے شاگرد رشید تھے مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے اسی شہر لاہور میں چالیس برس تک ایک مسجد میں مستقل ڈیرا لگا کر قرآن حکیم کا درس دیا ہے۔ دوسری طرف علمی اعتبارات سے مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ ہیں رحمۃ اللہ علیہ، مولانا انور شاہ کاشمیری ہیں رحمہ اللہ تیسری طرف مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا محمد میاں رحمۃ اللہ علیہم اور ایسی بے شمار مجاہد صفت علمی شخصیتیں ہیں۔ چوتھی طرف وہ درویش صفت دنش، جسم اور جثے کے لحاظ سے نحیف وضعیف لیکن عزم وہمت اور مجاہدہ کے اعتبار سے کوہ ہمالیہ اور سیماب وش شخصیت ہیں مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ بانی تبلیغی جماعت ـــــ پانچویں طرف صاحب علم اور صاحب تقویٰ شخصیت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضرت شیخ الہند کے ساتھ شرف تلمذ حاصل ہے ـــــ الغرض شیخ الہند کے تلامذہ گرامی میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقام پر علم دین وعرفان کا خورشید تھا۔ ایسی تمام شخصیتوں کو جوڑیئے! تو اس کا مطلع بنتا ہے، شیخ الہندؒ ـــــ! علم قرآن کا میدان ہو، حدیث وفقہ کا میدان ہو، تصوف وسلوک کا میدان ہو۔ پھر انگریزی سامراج کے خلاف جہاد حریت کا میدان ہو اور قید وبند اور دار ورسن کے مراحل ہوں ـــ ان سب سے یہ مرد خدا آگاہ اور خدا مست گزرا ہے۔

شیخ الہندؒ اور علامہ اقبال مرحوم چودھویں صدی کی یہ دونوں عظیم شخصیتیں اس بات پر متفق تھیں کہ امت کے سارے امراض کا علاج ایک ہی ہے کہ اس کو قرآن مجید کی طرف لوٹایا جائے۔ میں نے بڑے وسیع پیمانے پر یہ باتیں پھیلائی ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کا وہ قول جو اسارت مالٹا سے واپسی کے بعد انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں علمائے وقت کے ایک بہت بڑے مجمع میں ارشاد فرمایا تھا۔ جس کو روایت کیا ہے مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے

اپنی تالیف " وحدتِ امت " میں اس شیخ الشیوخ کا دل دردمند حالت اسیری میں امت کے حال پر سوچتا رہا ہے کہ ہمارے ساتھ ذلت وخواری اور فلاکت و محکومی کا معاملہ کیوں ہے ؟ اقبال کے اس شعر کے مصداق ؎

آج ہیں کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند　　گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

اس سوچ بچار اور غور و فکر کا جو جواب حضرت شیخ الہند کو ملا ہے، اس کو انہوں نے اس اجتماعِ علماء میں بایں الفاظ ارشاد فرمایا :-

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس بات پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی، اس کام میں صرف کر دوں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی میں قائم کئے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے، اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔"

شیخ الہندؒ کے اس قول کے متعلق اپنی تالیف میں مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ حضرتؒ نے جو یہ دو باتیں فرمائیں، غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اصل میں دو نہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے آپس کے اختلافات، خانہ جنگی اور تفرقے کا اصل سبب بھی قرآن مجید سے دور ہو جانا ہی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جڑ اور بنیاد ایک ہی ہے اور وہ ہے ہمارا قرآن مجید فرقانِ حمید، شفاءٌ للنّاس سے بُعد ـــــ اس کے سوا اور کچھ نہیں ـــــ

وحدتِ ملی کی اساس کونسی ہے؟ یہی قرآن حکیم : وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا۔ وعظ کہہ دینا آسان ہے کہ اتحاد ہونا چاہئے۔ سوال یہ

ہے کہ اتحاد کس اساس پر ہو ! ہر تعمیر کے لئے بنیاد درکار ہوتی ہے اور وحدت ملی کی لئے اصل بنیاد قرآن حکیم ہے ___

دوسری طرف، جو کچھ اس بارے میں علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے اس کا بار بار تذکرہ ہو چکا ہے۔ میں اس وقت اس کا اعادہ نہیں کروں گا۔ صرف دو شعر آپ کو سنا کر آگے چلتا ہوں کہ

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی    شکوہ سنج گردش دوراں شدی
اے چوں شبنم بر زمیں افتندۂ    در بغل داری کتاب زندۂ

تمہارے تمام دکھوں اور مصیبتوں کا علاج تمہاری بغل میں موجود ہے۔ کہاں در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہو اور کہاں کہاں تم نے بھیک کی جھولی پسار رکھی ہے اور دست سوال دراز کر رکھا ہے ! کہیں نظریات کی بھیک مانگ رہے ہو، کہیں نظام سیاست و حکومت کی بھیک مانگ رہے ہو۔ کہیں معاشرت و معیشت کے اصولوں کی بھیک مانگ رہے ہو۔ کہیں اسلحہ کی بھیک مانگ رہے ہو۔ کہیں اقتصادی امداد کا کشکول ہاتھ میں لے کر در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہو۔ ملوک و سلاطین اور صدور و امراء کے آگے ہاتھ پھیلا رہے ہو۔ تمہاری اصل دولت اور تمہاری تمام بیماریوں کا علاج تمہاری اپنی بغل میں موجود ہے ؎ در بغل داری کتاب زندۂ ___ !

یہ ہیں وہ عظیم ترین شخصیتیں جن کی رائیں اس بات پر مرتکز ہو گئیں کہ امت کی تمام خرابیوں اور پستیوں کا علاج صرف اور صرف رجوع الی القرآن ہے۔ ؎ متفق گردید رائے بوعلی با رائے من

اس میں کوئی اختلاف نہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کریں کیا؟ اس قرآن حکیم کا اذہان و قلوب میں نفوذ کیسے ہو ؟ میں پھر عرض کر رہا ہوں کہ صرف قرآن کا علم کافی نہیں ہو گا۔ اگرچہ اس کی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے اور اس کی بھی بڑی تاثیر ہے۔ میں تو یہ بھی مانتا ہوں کہ اگر کہیں صرف صحیح پڑھنے والا قرآن پڑھ رہا ہو تو قرآن کا جو اپنا ایک ملکوتی غنا ہے، اس کی اپنی جو ملکوتی موسیقی ہے، پڑھنے والا صرف اسے برد شے کار

لا سکے تو اس میں بھی بڑی تاثیر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ چاہے نہ پڑھنے والا سمجھ رہا ہو اور نہ سننے والا کہ کیا کہا جا رہا ہے پھر بھی اس میں تاثیر ہے اس لئے کہ یہ مالکِ ارض و سما کا کلام ہے اور اس کا ایک ملکوتی صوتی اثر (DIVINE SOUND EFFECT) ہے۔ انسان کی روح اس ملکوتی کلام کے اثرات سے ہم آہنگ ہے۔ اس سے آگے یہ کہ انسان قرآن مجید کی ناظرہ تلاوت کر رہا ہو، ترجمہ سے استفادہ کر رہا ہو۔ یہ عمل بھی اس کو متاثر کرے گا۔ لیکن ایک عمل ہے ذہن و فکر اور عقل و شعور کے ذریعے قرآن حکیم کو قلوب میں اتارنا ؎

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب     گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

علامہ اقبالؒ نے بڑی پیاری بات ایک اور شعر میں کہی ہے۔ سنئے کہتے ہیں ؎

تو عرب ہو یا عجم ہو تیرا لَا اِلٰہ اِلَّا !!
لغتِ غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

عالم عرب کی زبان عربی ہے، اس حقیقت سے کون واقف نہیں۔ لیکن کیا اس وقت ان میں باطل نظریات موجود نہیں ہیں ــــ؟ کیوں موجود ہیں۔ قرآن مجید عربی زبان میں ہے جو ان کی مادری زبان ہے۔ وہ تو اس کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ دقت تو ہمارے سمجھنے میں پیش آتی ہے چونکہ عربی ہماری مادری زبان نہیں ہے۔ اس کی اصل وجہ کیا ہے! ایک غلاف اور ایک خول ہے، باطل نظریات اور باطل فلسفوں کا جو ذہنوں پر چڑھا ہوا ہے۔ یہ DUST SUSPENSION ایسی ہے جیسے ہر شخص IN HALE کر رہا ہے۔ ان باطل نظریات کی غبار آلود فضا میں سانس لے رہا ہے ــــــــ اور سانس کے ذریعے یہ نظریات ہمارے اذہان میں، ہمارے فکر میں اور ہمارے قلوب میں سرایت کرتے رہتے ہیں اور ان کا جزو بنتے رہتے ہیں۔ اس سے ہماری اقدار (VALUES) متعین ہوتی ہیں اور اس غبار نے وہ حجاب ہمارے دلوں پر ڈال دیا ہے

جیسے یہودی نبی اکرمؐ سے استہزاءً کہا کرتے تھے کہ "قُلُوْبُنَا غُلْفٌ" اے محمدؐ! آپ ہم پر کتنی ہی تبلیغ کرلیں، ہمارے دلوں پر غلاف ہیں۔ وہ بڑے محفوظ ہیں، ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ یہ استہزاءً اور ڈھٹائی کے ساتھ وہ کہا کرتے تھے۔ اسی طرح اس بات کو سمجھ لیجئے کہ دراصل باطل نظریات کے غلافوں میں انسان کا فکر اور ارادہ آیا ہوا ہے۔ جب تک کہ ان باطل نظریات کا غلاف پھاڑ نہیں دیا جائے گا، جب تک ان کا پردہ چاک نہیں ہوگا۔ جب تک ان کی جو مرعوبیت اذہان پر مستولی ہے، وہ ختم نہیں ہوگی۔ قرآن مجید اندر نہیں اترے گا اور جب تک اندر نہیں اترے گا، کوئی حقیقی تبدیلی نہیں آئیگی۔ اس بات کو مثبت انداز میں علامہ اقبال نے یوں کہا ہے ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود　　جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

یہاں علامہ نے "جان کے اندر" کہا ہے۔ اردو شعر میں ضمیر کہا تھا۔

تیرے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزول کتاب　　گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

ضمیر باطن کو کہتے ہیں۔ چھپی ہوئی حقیقت۔ جان بھی باطن کے حقائق کی ایک تعبیر ہے۔ ہماری عقل، ہمارا فکر، ہمارا قلب اور ہماری روح مخفی حقیقتیں ہیں، یہی اصلاً جان ہے۔ وہاں تک اگر قرآن حکیم کی حکمت اور اس کے فطری استدلال کی رسائی نہ ہوئی تو ؎

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل!
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

اور ؎

تو عرب ہو یا عجم ہو تیرا لَا اِلٰہَ اِلَّا　　لغت غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پر جب تک دل مطمئن نہ ہو تو یہ کہہ دینا محض ایک اجنبی زبان ہی رہے گی۔ چاہے کہنے والا عرب ہی کیوں نہ ہو ـــــ اس تمام گفتگو کا حاصل یہ نکلا کہ فرد کی اصلاح کا معاملہ ہو یا پورے معاشرے کی اصلاح کا سوال ہو تو اس کے لئے اصل ضرورت ہے **ایمان** ـــــ اور ایمان کا سرچشمہ اور منبع ہے **قرآن مجید** ـــــ پھر قرآن کی صرف تعلیم و تدریس ہی نہیں بلکہ اس کے حکم اور اس کے فطری

وبدیہی استدلال کا اذہان سے قلوب میں نفوذ ـــــ ایسا نفوذ کہ اس کی حقانیت پر فکر و نظر اور عقل و شعور مطمئن ہوں اور ان ذرائع سے یہ اطمینان قلب و روح میں اتر جائے۔ دل گواہی دے کہ یہ قرآن حق ہے اور قلب و نظر کی کیفیات یہ ہو جائیں کہ : فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ اور وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ط

اب سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ہو؟ قرآن مجید کے قلوب میں نفوذ کے لئے کیا اہتمام کیا جائے؟ اس کام کو دو سطحوں پر انجام دیا جا سکتا ہے۔ پہلی سطح محدود سطح ہے اور دوسری سطح وسیع ترین سطح ہے۔ محدود سطح یہ ہے کہ رجال دین اور دینی ادارے، انجمنیں عوامی درس کی صورت میں ـــــ عوامی درس کی اصطلاح میں نے شیخ الہندؒ کے قول سے اخذ کی ہے جو میں آپ کو سنا چکا ہوں۔ عوامی سطح پر قرآن حکیم کے انقلابی دعوت و پیغام کو عام کریں۔ ان دروس کے لئے فلسفہ و منطق کے اسلوب کے بجائے قرآن ہی کے طرز استدلال کو اختیار کریں جو عقل و شعور کے ساتھ ساتھ فطرتِ انسانی اور بدیہیاتِ انسانی کو اپیل کرتا ہے ـــــ اجتماعات جمعہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کریں۔ حضورؐ خطبہ میں قرآن پڑھا کرتے تھے اور اس کے ذریعے لوگوں کو تذکیر کرایا کرتے تھے۔ کَانَ صلی اللہ علیہ وسلم یقرءُ القرآن ویذکر الناس

ـــــ خطبہ جمعہ سے قبل تقاریر کا جو سلسلہ جاری ہے یا جو حضرات اردو یا مقامی زبان میں خطبہ جمعہ دیتے ہیں، وہ اسی عمل پر دوام اختیار کریں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اساسی منہاج ہے۔ یعنی یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ـــــ وسیع ترین سطح اور بڑے پیمانے پر حکومت کے کرنے کے جو کام ہو سکتے ہیں، میں نے پچھلی تقریر میں بھی ان کا اجمالاً ذکر کیا تھا لیکن آج ان کاموں کا تفصیلاً تجزیہ کر کے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:

(جاری ہے)

ڈاکٹر عارف رشید

# حجازِ مقدّس میں پندرہ دن

پچھلے رمضان المبارک میں کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی کے شعبۂ میڈیسن سے وابستہ دو پروفیسر صاحبان، جناب ڈاکٹر نواب محمد خان اور جناب ڈاکٹر محمد طاہر لاہور تشریف لائے تھے۔ دونوں حضرات لاہور میں رمضان المبارک کے دوران اور اس کے بعد ہونے والے ڈاکٹر صاحب کے اکثر دروس قرآن اور دیگر پروگراموں میں شریک ہوئے۔ اور انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ حجاز مقدس کے شہر جدّہ جاکر ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآن اور خطابات کے پروگرام تشکیل دیں گے اور پھر باقاعدہ "جامعہ" (کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی) کی انتظامیہ سے اجازت لے کر ڈاکٹر صاحب کو مدعو کریں گے۔ بہرحال ان کی طرف سے دعوت نامے کا انتظار ہی رہا، غالباً ان حضرات کو جامعہ کی طرف سے اجازت نہیں مل سکی۔ اسی سال رمضان المبارک کے بعد یعنی اگست ۱۹۸۲ء میں ڈاکٹر صاحب کا دورۂ امریکہ کا پروگرام بن گیا۔ وہاں شکاگو سے متصل ایک ریاست وسکونسن کے ایک شہر "ووپاکا" میں ۲۲ اگست تا ۲۸ اگست انجمن خدام القرآن، شکاگو کے زیر اہتمام ایک قرآنی کیمپ کا انعقاد تھا۔ وہیں ڈاکٹر صاحب کی ملاقات سعودی عرب میں مقیم دو پاکستانی ڈاکٹر حضرات سے ہوئی جن کے اسماء گرامی ڈاکٹر شجاعت علی برنی اور ڈاکٹر فرحت علی برنی ہیں۔ یہ دونوں سگے بھائی ہیں۔ مقدم الذکر نے طب کے شعبہ امراض دماغی PSYCHIATARY میں ڈاکٹریٹ اور مؤخر الذکر نے انجینئرنگ میں پی ایچ ڈی کیا ہوا ہے۔ ڈاکٹر شجاعت علی برنی طائف کے ایک ہسپتال میں بہت بڑے عہدے پر فائز ہیں اور ڈاکٹر فرحت علی برنی "جامعہ" ملک عبدالعزیز یونیورسٹی میں شعبۂ تدریس سے منسلک ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے ان دونوں بھائیوں کی پہلی ملاقات قرآنی کیمپ میں ہوئی تھی۔ دونوں حضرات نے

اس خواہش کا اظہار کیا کہ جدّہ میں ڈاکٹر صاحب کے دروسِ قرآن کے پروگرام تشکیل پانے چاہئیں ـــــ اور اس بات کا وعدہ کیا کہ وہ جدّہ جاکر اس سلسلہ میں حکّامِ بالا سے گفت و شنید کریں گے اور اجازت ملتے ہی 'ویزا' روانہ کر دیں گے۔

اب سے چار سال قبل خانہ کعبہ' کا جو سانحہ ہوا تھا اور اس میں بیت اللہ کی جو حُرمت پامال ہوئی تھی اس کے بعد سے سعودی حکومت 'مذہبی پروگرام' کے عنوان ہی سے سخت الرجی محسوس کرنے لگی ہے۔ وہاں کی اینٹیلی جنس کے کان میں بھی اگر کسی اس قسم کے پروگرام کی بھنک پڑ جائے تو وہ چوکنا ہو جاتے ہیں ـــــ لہٰذا ان حالات میں سعودی عرب میں ڈاکٹر صاحب کے پروگرام تشکیل دینا اور ان کی اجازت حاصل کرنا خاصا دشوار گزار کام تھا۔ بہرحال اگر قوتِ ارادی مضبوط ہو اور عزم مصمّم ہو تو اللہ تعالیٰ راستہ ضرور پیدا فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا — "جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ آسان کر دیتا ہے"

اور وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ — "جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم ان کے لئے اپنے راستے کھول دیتے ہیں"

بہرحال ڈاکٹر فرحت علی برنی کی پیہم کوشش کے نتیجے میں جامعہ' کی طرف سے جامعہ ہی کی جامع مسجد میں دروسِ قرآن کی اجازت مل گئی۔ فوراً ہی انہوں نے ویزا ارسال کر دیا اور یوں ہم یعنی ڈاکٹر صاحب (ابّا جان) والدہ محترمہ اور راقم مؤرخہ ۱۰ مارچ بروز جمعرات صبح ۱۰ بجے کی فلائٹ سے کراچی کے لئے روانہ ہو گئے۔

جدّہ کے لئے مؤرخہ ۱۰ مارچ ہی کی رات ساڑھے دس بجے کی فلائٹ تھی جس کے ذریعے پاکستانی وقت کے مطابق صبح ساڑھے تین بجے اور جدّہ کے مقامی وقت کے مطابق صبح ڈیڑھ بجے ہم جدّہ ائیرپورٹ پر پہنچ گئے۔ ہماری فلائٹ میں کوئی نشست بھی خالی نہ تھی ـــــ پی آئی اے کے عملہ نے ہمارے

ساتھ بہت تعاون کیا اور ہمیں آرام دہ نشستیں فراہم کر دیں جو NON SMOKING AREA میں تھیں۔ سعودی عرب اور پاکستان کے درمیان لوگوں کی آمد و رفت اس قدر زیادہ ہے کہ روزانہ پی آئی اے کی ایک پرواز کراچی سے جدّہ اور جدّہ سے کراچی آتی ہے اسی طرح سعودیہ ایئر لائنز کی بھی ہفتہ میں تین دن پرواز ہے ــــ اور اس کے لئے پی آئی اے اپنا سب سے بڑا جہاز یعنی جمبو ۷۴۷ استعمال کرتا ہے اور مجال ہے کہ آپ کو کہیں کوئی نشست خالی نظر آجائے ــــ جمبو میں کل ساڑھے چار سو کے قریب مسافر سفر کر سکتے ہیں۔ ــــ واقعہ یہ ہے کہ دورانِ سفر جب راقم کا ذہن اس طرف منعطف ہوا کہ ۴۵۰ آدمی مع اپنے ساز و سامان کے اور پھر جہاز کا وزن ــــ سب کے سب زمین سے ۳۵۰۰۰ فٹ بلند فضا میں اڑے جا رہے ہیں تو فوراً قرآن کی ایک آیت یاد آگئی

| | |
|---|---|
| اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ | "کیا انہوں نے اپنے سروں پر |
| فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ | اڑتے ہوئے جانوروں کو نہیں |
| مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ | دیکھا جو پروں کو پھیلائے رہتے |

ہیں اور ان کو سکیڑ لیتے ہیں ــــ کون ہے جو ان کو (فضا میں) تھامے رکھتا ہے سوائے 'رحمٰن' کے۔"

جدّہ ایئر پورٹ پر خوش آمدید کہنے والوں میں جناب ڈاکٹر فرحت برنی، فیض اللہ خان اور دیگر کئی حضرات شامل تھے۔ جدّہ کا نیا ایئر پورٹ شہر سے تقریباً ۳۰ کلومیٹر باہر واقع ہے جبکہ قدیم ایئر پورٹ وسطِ جدّہ یعنی "بلد" میں ہے۔ دونوں ایئر پورٹ زیرِ استعمال ہیں البتہ قدیم ایئر پورٹ (مطار قدیم) صرف ایئر فورس اور اس ضمن میں TRAINING کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

**۱۱ مارچ بروز جمعۃ المبارک** صبح ۱۰ بجے ہم لوگ جناب ڈاکٹر شجاعت علی برنی کے ساتھ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے۔

جدّہ سے مکّہ تک جو نئی سڑک تعمیر ہوئی ہے وہ کسی طرح بھی امریکہ کی سڑکوں سے کم نہیں ہے۔ کل فاصلہ ۷۶ کلومیٹر یعنی تقریباً ۴۶ میل ہے۔ پورے رستے میں کہیں کوئی چوک یعنی CROSSING نہیں ہے۔ ٹریفک انتہائی تیز رفتار

ہے جس کی وجہ سے حادثات عام ہیں۔ حادثات کی روک تھام کے لئے جگہ جگہ سڑک پر جلی حروف میں تنبیہی جملے لکھے ہوئے ہیں۔ حدودِ حرم سے قبل ہی یعنی مکّہ سے تقریباً ۱۵ میل کے فاصلے پر مین روڈ سے ایک سڑک نکل جاتی ہے جس پر لکھا ہے "FOR NON MUSLIMS"۔ گویا اس مقام سے آگے صرف مسلمان ہی جاسکتا ہے اور غیر مسلموں کے لئے آگے حدودِ حرم میں داخل ہونا منع ہے۔ اس مقام پر فوراً ذہن قرآن کی اس آیت کی طرف منتقل ہوگیا

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ "مشرکین تو نجس ہیں۔ لہٰذا یہ
فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں"

مکّہ کی پختہ سڑکوں اور دونوں طرف بلند و بالا عمارتوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے چشمِ تصوّر میں آج سے ۱۴۰۰ سال قبل کا زمانہ آگیا جب بیت اللہ بھی کچی اینٹوں کا بنا ہوا تھا اور ان سڑکوں کی جگہ تپتی ہوئی چٹانیں اور پتھر تھے ـــــ بیت اللہ کے گرد چند سو گھرانے تھے ـــــ انہیں میں سے ایک گھرانہ بنی ہاشم کا تھا جس میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔ آپ کا بچپن اور پھر جوانی انہیں گلیوں اور بیت الحرام کے قرب و جوار میں گزری پھر فوراً ذہن منتقل ہوا اور ایک اور منظر پر نگاہ ٹک گئی۔ شدید گرمی کا زمانہ ہے۔ مکّہ کی سنگلاخ زمین ہے اور یہیں کعبۃ اللہ کے قریب ایک گلی میں چند لوگوں کا مجمع ہے۔ ذرا قریب ہو کر جھانکا تو دیکھا کہ ایک حبشی نژاد شخص زمین پر اوندھے منہ پڑا ہے اور اس کی پُشت پر ایک انتہائی بھاری پتھر پڑا ہے اور ایک سنگدل ہاتھ میں کوڑا لئے کھڑا ہے اور اس کی ننگی پیٹھ پر برسا رہا ہے۔ زمین پر پڑے ہوئے شخص کے منہ سے گرمی کی شدّت کی وجہ سے جھاگ نکل رہا ہے اور انتہائی نقاہت کے باوجود اس کی زبان سے ہلکے ہلکے کچھ الفاظ سنائی دے رہے ہیں۔ ذرا سماعت پر زور دے کر سنا تو معلوم ہوا کہ کوڑے لگانے والے شقی القلب آدمی کے سوال "مَنْ رَّبُّكَ" (تیرا رب کون ہے؟) کے جواب میں ان کے منہ سے غشی اور نقاہت کے باوجود اَحَدٌ اَحَدٌ (وہ اکیلا ہے، وہ اکیلا ہے) کے الفاظ نکل رہے ہیں۔ یہ زمین پر پڑا ہوا شخص کون ہے؟ یہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم

کے ایک ادنیٰ غلام بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور وہ شقی القلب شخص کون ہے؟ وہ امیہ ابن خلف ہے، جس نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرید کر اپنا غلام بنا لیا تھا ــــ یہی مکہ کی گلیاں ہیں اور ایک شخص کو اس کے مالک نے تپتی ہوئی زمین پر اوندھے منہ لٹا رکھا ہے۔ قریب ہی آگ کا الاؤ روشن ہے اور اس میں کوئلے دہک رہے ہیں۔ ایک شقی القلب شخص آتا ہے اور دہکتے ہوئے کوئلوں کا ایک برتن ان کی ننگی پیٹھ پر الٹ دیتا ہے۔ پشت پر سے چربی پگھلتی ہے اور فرشِ زمین وہ کوئلے ٹھنڈے پڑتے ہیں۔ ذرا سوچیے تو اس شخص کو آخر کس جرم کی سزا مل رہی ہے! ایسا کون سا گناہ اس سے صادر ہوا ہے کہ اس کے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے۔ یہ جرم اور گناہ "صرف اس قدر ہے کہ اس نے خدا کو ایک مانا" ہے۔ اس کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا ہے اور زبان سے اس کی گواہی ان الفاظ میں دی ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ آج اسلام جو ہم تک پہنچا ہے تو وہ ان حضرات اور ان جیسے ہزاروں صحابہ کرامؓ کی قربانیوں کے نتیجے میں پہنچا ہے۔ اگر اسلام کے لئے اختیار کردہ راستہ "صحیح" ہے تو اس راہ میں یہ قربانیاں دینی پڑتی ہیں اور مصائب و آلام آکر رہتے ہیں۔ بفحوائے آیت قرآنی:

| | |
|---|---|
| اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا | "کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ |
| اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا | صرف اسی بات پر چھوڑ دیئے جائیں |
| يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا | گے کہ انہوں نے زبان سے کہہ دیا کہ |
| الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ | ہم ایمان لے آئے۔ اور اُن کو |
| فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا | آزمایا نہ جائے گا۔ ہم نے تو لازماً |
| وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۔ | آزمایا ہے ان کو جو ان سے پہلے گزرے |

ہیں۔ پس اللہ جان کر رہے گا کہ کون (اپنے دعوئ ایمان میں) سچے ہیں اور کون (اپنے دعوئ ایمان میں) جھوٹے ہیں۔"

جمعۃ المبارک کی نماز سے فارغ ہو کر ہم نے عمرہ ادا کیا اور شام کو تقریباً ساڑھے پانچ بجے جدہ واپس پہنچ گئے۔ جدہ میں ہمارا قیام 'جامعہ' کے ریسٹ ہاؤس میں رہا۔

جو جامعہ سے تقریباً ۸ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ہماری جدہ آمد سے قبل ڈاکٹر فرحت برنی صاحب نے بتایا کہ وہ اس سلسلے میں کچھ مذبذب تھے کہ ہماری رہائش کہاں رکھی جائے! مقصود یہ تھا کہ نہ تو ہمیں تکلیف ہو اور نہ ہمارے میزبان حضرات کو۔ ابھی اسی کشمکش و پیچ میں تھے کہ جامعہ کی انتظامیہ کے ایک سرکردہ صاحب نے سوال کیا کہ تم ڈاکٹر صاحب کو بلا تو رہے ہو ان کی رہائش کا کوئی معاملہ طے ہوا ہے یا نہیں! ڈاکٹر برنی صاحب نے جواب دیا کہ وہ ہمارے گھر میں ہی ٹھہریں گے۔ اس پر انہوں نے خود تجویز پیش کی کہ 'جامعہ' کا ریسٹ ہاؤس کیوں نہیں استعمال کرتے! ڈاکٹر برنی صاحب کو اس کی توقع ہرگز نہ تھی کہ وہ اپنا ریسٹ ہاؤس بھی اس سلسلے میں پیش کر دیں گے۔ اس طرح ہماری رہائش کا مسئلہ حل ہو گیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ!

**۱۱، مارچ، بعد نماز مغرب** جامعہ کی جامع مسجد میں ڈاکٹر صاحب نے سورۃ الحجرات کی آیات ۱۳ اور ۱۴ کا درس دیا۔ جس میں 'اسلام' اور 'ایمان' کے فرق کا انتہائی وضاحت کے ساتھ بیان ہوا۔ آج چونکہ تعطیل تھی اس لئے حاضرین کی خاصی تعداد درس سننے آئی تھی ـــــ ۲۰۰ کے لگ بھگ حضرات شریک درس تھے تقریباً تمام حضرات کا تعلق پاکستان سے تھا جو ۴، ۵ سال سے لے کر ۱۵، ۲۰ سال قبل تک پاکستان سے سعودی عرب منتقل ہوئے تھے۔ وہاں کے لوگوں کے نزدیک حاضرین کا اس تعداد میں جمع ہونا اور ان حالات میں کہ کسی قسم کی پبلسٹی نہیں کی گئی صرف بذریعہ فون اور خط و کتابت ہی لوگوں کو مطلع کیا جا سکا' غیر معمولی بات تھی۔ نماز عشاء کے بعد تقریباً پون گھنٹہ سوال و جواب کی نشست رہی اور اس طرح رات ساڑھے نو بجے ہم لوگ فارغ ہوئے۔

**۱۲، مارچ، بروز ہفتہ** آج شام بعد نماز مغرب پھر جامعہ کی مسجد میں پروگرام تھا ـــــ سورۃ الحجرات کی اگلی آیت یعنی آیت نمبر ۱۵ کا درس ہوا۔ آیت یہ ہے:

| | |
|---|---|
| اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا | "مومن تو بس وہ ہیں جو ایمان لائے |
| بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا | اللہ پر اور اس کے رسول پر اور پھر شک |

| | |
|---|---|
| وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ | میں نہیں پڑے اور انہوں نے |
| وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ | جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں |
| اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ؕ | کے ساتھ اللہ کے رستے میں، صرف |

یہی لوگ ہیں جو (اپنے دعوئے ایمان میں) سچے ہیں۔"

مغرب کے فوراً بعد حاضرین کی تعداد زیادہ نہیں تھی لیکن پندرہ بیس منٹ کے بعد ہی حاضری ۲۰۰ سے متجاوز ہو گئی۔ کل ہی کی طرح نمازِ عشاء کے بعد سوال وجواب کی نشست ہوئی لوگوں کا ذوق وشوق دیدنی تھا۔ ابھی ڈھیر سارے سوال باقی تھے۔ لیکن رات زیادہ گزر چکی تھی۔ اس لئے رات تقریباً دس بجے اجتماع کے اختتام کا اعلان کر دیا گیا ــــــ!!

**۱۳ مارچ بروز اتوار** آج جدہ میں ڈاکٹر صاحب کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ البتہ مکہ مکرمہ کے احباب نے ڈاکٹر صاحب کو مدعو کیا ہوا تھا۔ مکہ میں ڈاکٹر انصار شامی صاحب کے ہاں خواتین کا ایک پروگرام تھا جس میں تقریباً ۱۵ مرد حضرات بھی شریک تھے۔ ڈاکٹر انصار شامی صاحب امریکہ میں مقیم تھے اور چار پانچ سال قبل سعودی عرب منتقل ہو گئے تھے۔ موصوف انتہائی سادہ اور بے تکلف شخصیت کے حامل ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے سورۃ التحریم کی آیات نمبر ۶ تا ۸ کا درس دیا۔ آیات کا مضمون انتہائی جامع تھا۔ آغاز ان الفاظ سے ہوا:

| | |
|---|---|
| یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا | "اے اہل ایمان! اپنے آپ کو اور |
| اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا | اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔" |

اور اسی میں وہ الفاظ مبارکہ بھی ہیں:

| | |
|---|---|
| یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا | "اے اہل ایمان! پلٹو اور رجوع |
| اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ــ | کرو اللہ کی طرف اور صدقِ دل |
| | کے ساتھ توبہ کرو۔" |

سورہ تحریم کی مذکورہ بالا آیات کے علاوہ سورہ تغابن کی آیات نمبر ۱۴، ۱۵ بھی زیرِ درس آئیں جن کا مضمون انتہائی جامع ہے۔ فرمایا گیا:

| | |
|---|---|
| يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ | "اے اہلِ ایمان! بے شک |
| مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ | تمہاری بیویوں اور اولاد میں |
| عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ | تمہارے دشمن ہیں پس ان سے بچ کر رہو" |

اور

| | |
|---|---|
| اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ | "بے شک تمہارے اموال اور |
| فِتْنَةٌ: | تمہاری اولاد تمہارے لئے فتنہ |
| | (بمنزلۂ آزمائش) ہیں" |

اس اجتماع میں تقریباً پچیس خواتین شریک ہوئیں اور یہ پروگرام کافی مفید رہا۔

زبیر عمر صدیقی صاحب ڈاکٹر صاحب کے گہرے دوست ہیں۔ مکۃ المکرمہ میں جب ان سے ملاقات ہوئی تو ان کا یہ خیال سامنے آیا کہ اینٹلی جنس کے لوگ مکۃ المکرمہ پر خصوصاً توجہ دیتے ہیں اور کسی قسم کا کوئی مذہبی اجتماع یہاں ممکن ہی نہیں ہے۔ بلکہ معاملہ تو یہاں تک ہے کہ اگر کسی مکان کے باہر کاروں کا زیادہ اجتماع نظر آجاتا ہے تو فوراً اینٹلی جنس والے پوچھ گچھ کے لئے پہنچ جاتے ہیں لیکن چونکہ وہاں کے لوگوں کا بہت اصرار تھا کہ مذہبی اجتماع کے نام سے نہ سہی صرف مل بیٹھنے کا ایک پروگرام (GET TOGETHER) ہی بن جائے۔ جس میں صرف سوال وجواب اور گفتگو کی ایک نشست ہو۔ لہٰذا یہ طے کر لیا گیا کہ ۱۷ مارچ بروز جمعرات بعد نماز مغرب مکۃ المکرمہ میں ایک نشست ہوگی جو صرف گفتگو اور سوال وجواب تک محدود رہے گی۔

**۱۴ مارچ بروز سوموار** آج دوپہر کے کھانے پر ہمیں جناب فیض اللہ خان ملک نے اپنے ہاں مدعو کیا تھا۔ موصوف، راقم اور ابا جان کے بہت پرانے جاننے والے ہیں۔ تقریباً ۱۰۸ سال سے شناسائی ہے۔ سمن آباد، لاہور میں ۱۲۔ افغانی روڈ جہاں 'انجمن' اور 'تنظیم اسلامی' دونوں کے تاسیسی اجتماعات ہوئے، ہمارے ساتھ ہی مقیم تھے اور انجمن کے لئے اعزازی کام بھی کرتے رہے۔ آج سے پانچ سال قبل سعودی عرب منتقل ہوئے اور

آج کل ایک امریکن فرم میں ملازم ہیں۔ ان کے یہاں سے شام کو واپسی ہوئی۔ مغرب کے بعد 'جامعہ' کی جامع مسجد میں حسبِ معمول پروگرام تھا۔ آج "الجہاد فی الاسلام" کے موضوع پر خطاب تھا۔ دورانِ خطاب سعودی ایٹلی جنس سے متعلق ایک کارکن بہت بے چینی کے عالم میں ہال کے اندر چکر لگاتے رہے وجہ اس کی یہ تھی کہ تقریر کے دوران 'اسلامی انقلاب' اور مسلح جدوجہد ISLAMIC REVOLUTION AND ARMED CONFLICT کے الفاظ کئی دفعہ دہرائے گئے اور جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ سعودی عرب کے آج کل کے مخصوص حالات میں درسِ قرآن کے درمیان اس قسم کے انقلابی الفاظ کا زبان سے نکالنا ہی خاصا مہنگا ثابت ہوتا ہے۔

**۱۵، مارچ بروز منگل** یہ تمام دن گھر پر گزرا۔ دن میں سید وقار احمد حسینی صاحب ملاقات کے لئے تشریف لائے موصوف خاصا عرصہ امریکہ میں گزار چکے ہیں اور آج کل ام القریٰ یونیورسٹی، مکۃ المکرمہ میں شعبہ انجینئرنگ میں پروفیسر ہیں۔ تقریباً تین گھنٹے کی نشست رہی اور اس دوران نہایت ہی مفید گفتگو ہوئی۔

بعد نماز مغرب جامعہ مسجد میں ڈاکٹر صاحب کا خطاب تھا، عنوان تھا۔ "فلسفۂ سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم" آج چونکہ جامعہ میں ڈاکٹر صاحب کے اس سلسلۂ درس کا آخری پروگرام تھا۔ اسی لئے حاضری بھی خوب تھی ——— آخر میں سوال و جواب کی ایک نشست بھی ہوئی جو رات ساڑھے دس بجے تک جاری رہی۔ درس کے اختتام پر اعلان کر دیا گیا کہ 'کل یعنی ۱۶، مارچ کو سعودیہ سٹی (SAUDIA CITY) میں بعد نماز مغرب 'اسلام میں خواتین کا مقام' کے موضوع پر تقریر ہوگی۔

**۱۶، مارچ بروز بدھ** مولانا عبدالغفار حسن صاحب کے صاحبزادے جناب شعیب حسن صاحب کے ہاں آج چائے کا پروگرام تھا۔ مولانا عبدالغفار حسن صاحب جامعہ مدینہ (MEDINA UNIVERSITY) میں شعبہ تدریس سے منسلک ہیں اور آج کل جامعہ ہی کی جانب سے پاکستان میں بطورِ مبلغ کام کر رہے ہیں۔ مولانا موصوف چونکہ ان دنوں سعودی عرب ہی آئے ہوئے تھے۔ اسی لئے ان کا ہفتہ وار درسِ قرآن، جدہ کے پاکستانی اسکول میں

ہونا تھا۔ جناب شعیب حسن صاحب سعودی ایئر لائنز ( SAUDIA ) سے منسلک ہیں۔

بعد نماز مغرب سعودیہ سٹی کی خوبصورت جامع مسجد میں " اسلام میں خواتین کا مقام" کے موضوع پر خطاب تھا۔ سعودیہ سٹی جدہ سے تقریباً ۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک نو تعمیر شدہ آبادی ہے۔ یہ آبادی کسی طرح بھی امریکہ کی کسی بہترین آبادی سے کم نہیں ہے۔ یہاں کے رہائش کنندگان کی اکثر تعداد امریکیوں پر مشتمل ہے۔ اور گرمیوں کے موسم میں یہ علاقہ 'عریانی' کے اعتبار سے بالکل امریکی معاشرے کی تصویر پیش کرتا ہے۔ چونکہ سعودیہ ایئر لائنز سے متعلق متعدد پاکستانی حضرات بھی یہاں رہتے ہیں اس لئے ان حضرات کی کوششوں سے اس جگہ درسِ قرآن کا پروگرام تشکیل پا گیا۔ مغرب سے آدھ گھنٹہ قبل ہی جدہ کے پاکستانی حضرات اپنی FAMILIES کو لے کر مسجد میں پہنچ گئے تھے۔ خواتین کے لئے الگ 'ہال' کا انتظام تھا۔ مغرب کی نماز کے فوراً بعد خطیبِ مسجد نے جن کا تعلق 'شام' سے ہے۔ عربی زبان میں تقریباً بیس منٹ خطاب فرمایا جس میں ڈاکٹر صاحب کی اس مسجد میں آمد پر ان کا شکریہ بھی ادا کیا۔ ڈاکٹر صاحب کا خطاب عشاء تک جاری رہا اور رات گئے تک سوال و جواب کا سلسلہ بھی ـــــ خواتین کی طرف سے سوالات تحریری صورت میں موصول ہوئے تھے جن کا جواب دے دیا جاتا تھا۔ ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس خطاب میں مولانا مودودی مرحوم کی صاحبزادی بھی شریک تھیں اور باقاعدہ NOTES لے رہی تھیں۔

**۱۷ مارچ بروز جمعرات** صبح کے اوقات میں ہماری رہائش گاہ پر ہی کئی حضرات ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی غرض سے آئے ـــــ مختلف موضوعات پہ گفتگو رہی۔ ظہر سے عصر تک آج بھی سعودیہ سٹی ( SAUDIA CITY ) میں درسِ قرآن کا پروگرام تھا ـــــ حاضری ماشاء اللہ خوب تھی ـــــ خواتین بھی شریک تھیں ـــــ درسِ قرآن کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ نمازِ عصر تک جاری رہا۔ مکۃ المکرمہ میں پاکستانی احباب کی شدید خواہش تھی کہ ان کو بھی وقت دیا جائے۔ لہٰذا آج بعد نماز مغرب مکۃ المکرمہ میں ایک صاحب کے گھر پہ پروگرام تھا۔ مکہ میں چونکہ کسی قسم کی

مذہبی سرگرمی کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے بالکل ہی خفیہ طور پر یہ اجتماع ہوا۔ شرکاء کی تعداد تقریباً ۲۵ کے قریب تھی جن میں بعض حضرات 'جماعتِ اسلامی' سے متعلق بھی تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے "ہماری دینی ذمہ داریاں" کے موضوع پر چالیس منٹ خطاب فرمایا اور بعدۂ سوال و جواب کا سلسلہ خاصی دیر جاری رہا۔ اس پروگرام کے ORGANISER جناب زبیر عمر صدیقی تھے۔ موصوف کا جماعتِ اسلامی سے گہرا تعلق ہے لیکن جماعت کے موجودہ طریقِ کار سے اختلاف بھی ہے تنظیم اسلامی کی دعوت کے ساتھ بھی مخلصانہ قلبی تعلق ہے۔ اس اتفاق و اختلاف کے درمیان ان کی فکری و ذہنی گاڑی رواں ہے ـــــ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ـــــ! جناب ڈاکٹر صاحب کا خطاب ختم ہوا تو انہوں نے راقم سے فرمایا "صرف چالیس منٹ میں اپنی دعوت کو اس قدر خوش اسلوبی اور وضاحت سے پیش کرنا صرف ڈاکٹر صاحب ہی کا کام ہے" میں نے دل میں کہا کہ یہ دراصل فیضانِ الٰہی اور اعجازِ قرآنی ہے ڈاکٹر صاحب کا کمال نہیں۔

**۱۸ مارچ بروز جمعۃ المبارک** ابتدا ہی میں عرض کیا جا چکا ہے کہ حجاز مقدس میں ہم نے پہلا جمعۃ المبارک مسجد الحرام میں ادا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج کا جمعہ ہمیں مدینہ منوّرہ میں مسجد نبوی میں ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ صبح ساڑھے سات بجے کی فلائٹ سے مدینہ کے لئے روانگی ہوئی۔ مدینہ پہنچتے ہی ہوٹل "المنار" میں قیام کا انتظام تھا۔ جو کسی طرح بھی "فائیو اسٹار" ہوٹل سے معیار میں کم نہیں تھا۔ یہاں بھی ہمارے میزبان جناب ڈاکٹر شجاعت علی برنی ہی تھے۔ ہم نے بہت زور دیا کہ 'پاکستان ہاؤس' یا کسی اور سستے سے ہوٹل میں ٹھہر جاتے ہیں لیکن وہ مجبور کر کے ہمیں ہوٹل المنار میں لے گئے۔ ڈاکٹر شجاعت برنی صاحب جس دلیل کی بنیاد پر ہمیں ہوٹل المنار لے گئے وہ یہ تھی کہ "ڈرائنگ روم" کی سہولت کی وجہ سے اگر مدینہ میں مقیم پاکستانی حضرات سے کوئی نشست ہو جائے تو جگہ کی تنگی نہ ہو۔ مسجد نبوی میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد بہت سے پاکستانی حضرات سے ملاقات ہو گئی جن میں مولانا عبدالغفار صاحب اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب (رکن مجلس شوریٰ پاکستان) بھی تھے۔

**۱۹ مارچ بروز ہفتہ** صبح ناشتہ کے بعد ہم لوگ 'مدینۃ النبیؐ' کے بعض مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لئے روانہ ہوگئے۔

'میدانِ اُحد' پر پہنچے۔ ذہن پر فوراً ایک شبیہہ اُبھری۔ چودہ سو سال قبل اسی جگہ پر معرکۂ حق و باطل ہوا تھا اور ستر جاں نثار صحابہ کا خون اس میدان میں جذب ہوا تھا۔ میدان کے دامن میں سیدالشہداء اور اسداللہ و اسد رسولہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جائے مدفن ہیں ان دونوں حضرات کا ذکرِ مبارک آیا ہے تو ذہن دو واقعات کی طرف منتقل ہوا۔

روایات میں ہے کہ حضرتِ مصعب بن عمیرؓ جیسا خوش لباس نوجوان پورے مکّہ میں نہیں تھا اور ہر وقت اس قدر معطّر رہتے تھے کہ جس گلی سے گذر جاتے گھنٹوں خوشبو اس گلی سے گزرنے والوں کے مشام کو معطّر کرتی۔ لیکن جب اسلام قبول کیا تو ان کی حالت میں جو تبدیلی آئی وہ اسی واقعے میں ملاحظہ فرمائیں ۔۔۔ ایک مرتبہ حضورِ اکرمؐ مسجد نبویؐ کے صحن میں تشریف فرما تھے۔ بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس مبارک مجلس میں شریک تھے کہ اچانک حضرتِ مصعبؓ بن عمیر کا گزر مسجد کے سامنے سے ہوا۔ پورے بدن پر ایک کمبل تھا جو جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ جب آپؐ کی نظر مصعبؓ پر پڑی تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا کہ " یہ وہ شخص ہے جو دو دو سو درہم کا جوڑا پہنا کرتا تھا "۔ چونکہ آپؓ کی قبر مبارک کا ذکر آگیا ہے لہٰذا عرض کردوں کہ غزوۂ اُحد میں جب ان کی شہادت ہوئی تو ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی۔ یہ اصول ہے کہ شہید کی شہادت جس لباس میں ہو اسی میں اس کو دفن کیا جاتا ہے لیکن صورت حال یہ پیش آئی کہ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ اگر سر مبارک ڈھکتے تھے تو پیر مبارک کھل جاتے اور اگر پیر مبارک ڈھکتے تو سرِ مبارک کھل جاتا تھا۔ جب اس بارے میں حضور اکرمؐ سے ذکر کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا " ان کو اسی لباس میں دفن کر دیا جائے "۔ یہ وہ آخری پوشاک تھی جو آپؓ کو نصیب ہوئی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ)

حضرتِ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کون مسلمان واقف نہیں ان کی شہادت جس انداز میں ہوئی کہ جسم مبارک کا 'مثلہ' کر دیا گیا۔ پیٹ چاک کر کے کلیجہ چبایا

گیا۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شدتِ غم سے وہ کیفیت طاری ہوئی کہ آپؐ کی زبان مبارک سے نکل گیا: اَمَّا حَمْزَۃُ فَلَا بَوَاکِیَ لَہٗ (ہائے! حمزہ کے لئے کوئی رونے والا بھی نہیں)

ان دونوں حضراتؓ اور دیگر شہدائے اُحُد کے لئے دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے مرتبہ و منزلت کو جنّت میں مزید بڑھائے۔ اس کے بعد "مسجد قبلتین" کی زیارت کی اور دو نوافل ادا کئے۔ اور آخر میں "مسجد قبا" میں دو نوافل ادا کئے۔ مسجد کی محراب کے اوپر قرآن کے وہ الفاظ درج ہیں جن میں اس مسجد کی شان بیان کی گئی ہے اور صحابہ کرامؓ کی تعریف کی گئی ہے۔ الفاظ مبارکہ ہیں:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ .....

عشاء کی نماز کے بعد مدینہ کے احباب نے ایک پروگرام تشکیل دیا تھا جس میں ہوٹل "المنار" میں ہی ملاقات کا اہتمام کیا گیا تھا۔ شرکاء کی تعداد ۲۰ کے لگ بھگ تھی۔ "ہماری دینی ذمہ داریاں" کے موضوع پر تقریباً ایک گھنٹہ کا خطاب تھا اور بعدہٗ سوال و جواب کی نشست ہوئی جو رات گیارہ بجے تک جاری رہی۔

**۲۰ مارچ بروز اتوار** آج ناشتہ میں ہم لوگ ترجمان السنّۃ کے مؤلف جناب مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کے فرزند ارجمند جناب مولانا آفتاب عالم صاحب کے ہاں مدعو تھے۔ مولانا موصوف نہایت سادہ طبیعت کے انسان ہیں۔ چونکہ بہت عرصہ مدینہ مبارک میں ہیں اس لئے سعودی قومیت مل گئی ہے مولانا کو امیرِ محترم کے بعض خیالات کے بارے میں چند اشکالات تھے جو وہاں پر موجود بعض اصحاب کی جانب سے پھیلائے گئے تھے۔ ایک اشکال یہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب "لاہوریوں" کو کافر نہیں مانتے جب مولانا نے ڈاکٹر صاحب سے سوال کیا تو انہوں نے تفصیل کے ساتھ جواب دیا کہ مذکورہ الزام غلط اور بے بنیاد ہے جس سے وہ مطمئن ہو گئے اور انہوں نے دوبارہ فرمائش کر کے اس وضاحت کو ریکارڈ بھی کر لیا۔

دوپہر ساڑھے بارہ بجے جدّہ کے لئے پرواز روانہ ہوئی۔ جہاز میں سے مسجدِ نبویؐ کا فضائی منظر بھی دیکھا اور اللہ کے حضور دعا کی کہ وہ اپنے خصوصی فضل و کرم سے دوبارہ اس مقدس مقام کی زیارت کا موقع بہم فرمائے ۔۔۔!

جدّہ میں مغرب کے بعد رہائش گاہ پر ہی ایک خصوصی اجتماع کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں ان حضرات کو دعوت دی تھی جو 'جامعہ' کی مسجد کے دروسِ قرآن کے پروگرام میں شریک تھے اور امیر محترم سے اسلامی انقلاب کے طریق کار کے موضوع پر سوالات کرنا چاہتے تھے۔ یہ اجتماع توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔ کل ۳۵ افراد شریک تھے۔ "تنظیم اسلامی" کے طریق کار پر مفصّل گفتگو ہوئی — خصوصاً جماعتِ اسلامی سے متعلق بعض حضرات نے تنظیم اسلامی اور جماعتِ اسلامی کے باہمی اختلافات کی وضاحت چاہی۔ خیال رہے کہ 'جامعہ' میں دروسِ قرآن کی مجالس میں سعودی عرب میں جماعتِ اسلامی کے 'امیر' پابندی کے ساتھ شرکت کرتے رہے تھے اور ڈاکٹر صاحب کے دروس سے خاصے متاثر نظر آتے تھے۔

**۲۱، مارچ بروز سوموار** آج دن میں کوئی پروگرام نہ تھا۔ البتہ بعد نماز مغرب جامعہ کے آڈیٹوریم میں ایک پروگرام تھا — یہ پروگرام نوجوانوں کی ایک تنظیم "لجنہ قومیہ سلامیہ" کے زیرِ اہتمام تھا — اس تنظیم کے صدر ایک نہایت مخلص اور پرجوش نوجوان ہیں جن کا نام محمد فیصل ہے جن کا تعلق گیانا سے ہے۔ امیر تنظیم کی تقریر کا عنوان تھا 15TH CENTURY HIJRAH & ISLAMIC RENIASSANCE" تقریر انگریزی زبان میں تھی۔ اس پروگرام میں جامعہ سے متعلق لگ بھگ ۱۵۰ افراد شریک تھے۔ جن میں اکثریت نہایت پڑھے لکھے حضرات کی تھی۔ تقریر کے بعد سوال و جواب کی نشست رہی۔

**۲۲، مارچ بروز منگل** آج دن میں ایک بجے جامعہ کے شعبہ انجینئرنگ کے زیرِ اہتمام ایک پروگرام تھا جس میں جامعہ سے متعلق کم و بیش ۱۵۰ اساتذہ کرام نے شرکت کی۔ خطاب کا عنوان تھا: ROLE OF TEACHER IN ISLAM۔ یہ خطاب بھی انگریزی زبان میں تھا۔

بعد نماز مغرب: جامعہ سے متعلق لگ بھگ ۱۵ پروفیسر صاحبان نے امیر تنظیم کو دعوت دی۔ ان پروفیسر حضرات کا تعلق 'ترکی' سے تھا۔ وہاں

کوئی خطاب پیشِ نظر نہیں تھا۔ لہٰذا مجلس صرف گفتگو تک محدود رہی۔ ترکوں میں پاکستانیوں کے لئے جس قدر محبّت ہے، وہ قابلِ رشک ہے۔ ان حضرات نے پُرتکلّف دعوت کا اہتمام کیا ہوا تھا، پروگرام کے اختتام پر ہدیتہً ایک بنڈل دیا جو شہد کے چھتّے پر مشتمل تھا اور جس کو بہت خوبصورتی کے ساتھ لکڑی کے ایک فریم میں پیک کیا گیا تھا۔

۲۳ر مارچ بروز بدھ | صبح گیارہ بجے کے قریب 'مکۃ المکرمہ' کے لئے روانہ ہوئے ـــــ الوداعی طواف کیا اور ظہر کی نماز بیت اللہ میں ادا کی اور شام کو واپس جدّہ پہنچ گئے۔ رات پونے گیارہ بجے کی فلائٹ پر ہماری واپسی کی نشستیں ریزرو تھیں۔ وقتِ مقررہ پر پرواز روانہ ہوئی اور اگلے دن صبح ایک بج کر تیس منٹ پر (پاکستانی وقت کے مطابق ساڑھے تین بجے صبح ہم کراچی پہنچ گئے۔ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے ہمیں حجازِ مقدس کی زیارت کی توفیق عطا فرمائی اور ہمیں واپس بخیریت وطن پہنچا دیا فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالشُّكْرُ۔

سعودی عرب میں قیام کے دوران واقعہ یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادِ مبارک من لم یشکر الناس لا یشکر اللہ (جو شخص لوگوں کا شکر گزار نہیں بنتا۔ وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں بن سکتا) کے مصداق اگر میں جناب ڈاکٹر شجاعت علی برنی اور جناب ڈاکٹر فرحت علی برنی کا ذکر نہ کروں تو یہ ناانصافی ہوگی۔ انہوں نے جس خلوص اور محبّت کے ساتھ ہمارا خیال رکھا اس کا اجر اللہ ہی ان کو دے گا " فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ" (پس اس کا اجر اللہ کے پاس محفوظ ہے) ہمارا قیام چونکہ جامعہ کے ریسٹ ہاؤس میں تھا اور وہاں پکانے کا انتظام نہ تھا اس لئے جناب ڈاکٹر فرحت علی برنی اپنے گھر سے کھانا پکوا کر ہمارے لئے لاتے اور دو تین اوقات کا کھانا ہم نے ان کے ہاں ہی کھایا۔ جناب ڈاکٹر شجاعت علی برنی صاحب اپنی گاڑی لئے ہر وقت موجود ہوتے۔ حتّٰی کہ 'مدینہ منورہ' بھی ہمارے ساتھ ہی تشریف لے گئے۔ اسی طرح برادرم فیض اللہ خاں صاحب کی خصوصی دوستی میرے ساتھ رہی۔ دو تین مرتبہ ان کی گاڑی میں بیت اللہ کا چکّر

لگایا۔ مکّہ مکرّمہ میں جبل عرفات، وادیٔ منیٰ، مسجد خیف کی سیر بھی انہیں کی مرہونِ منّت ہے ـــــ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان تمام حضرات کو اجرِ خصوصی سے نوازے (آمین)

ڈاکٹر شجاعت علی برنی نے اپنے حالیہ دورۂ پاکستان میں امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ جدّہ میں جناب عبدالرحمٰن رحمانی صاحب نے بھی بیعت کر لی۔ جناب رحمانی صاحب کا تعلق لاہور سے ہے اور عرصہ ۸ سال سے سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ سرزمینِ حجاز میں دو رفقاء پہلے سے امیر محترم سے بیعت ہیں ـــــ

اللہ تعالیٰ ان حضرات کی سعی کو قبول فرمائے اور ان کو اپنے دین متین کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وَآخر دعوانا ان الحمدلِلّٰہ ربّ العٰلمین !!

---

**(بقیہ: رفتار کار)**

کی تقریر کے کسی پہلو کے متعلق کوئی بات کتاب و سنّت سے ہٹی ہوئی محسوس ہو تو علماء ان کی رہنمائی فرمائیں۔ بعد مغرب تقسیم انعامات کے بعد افہام و تفہیم کیلئے سوالات و جوابات کا نصف گھنٹے تک سلسلہ جاری رہا۔ جلسہ کے اختتام کے بعد بھی رئیس بلدیہ کے کمرے میں انجمن تعمیر نو کے عہدیداران اور چند علماء کرام سے تبادلۂ خیال ہوا۔ پونے نو بجے شب وہاں سے واپس روانہ ہو کر سوا دس بجے کے قریب قرآن اکیڈمی پہنچے۔ اس سفر میں بھائی مہر علاؤالدین صاحب اور راقم (جمیل الرحمٰن) امیر محترم کے ساتھ تھے۔

اپریل کے بقیہ دنوں کے لئے امیر محترم کے دروس قرآن اور خطابات کے لئے پروگرام مرتب ہو چکے ہیں جن میں ڈیرہ غازیخان، ڈیرہ اسمٰعیل خاں، فیصل آباد، کوئٹہ اور سکھر بیرون لاہور کے دوروں کے علاوہ لاہور میں بھی معمول کے مطابق پروگراموں کے ساتھ ہی دوسرے پروگرام بھی شامل ہیں۔ اوائل مئی میں کراچی کا دورہ بھی طے ہو گیا ہے۔ کراچی ہی سے امیر محترم ۱۰ مئی کو ڈیڑھ ماہ کے لئے امریکہ اور کینیڈا کے دعوتی دورے پر تشریف لے جائیں گے۔ ان مصروفیات اور دوروں کی روداد ان شاء اللہ جون کے شمارے میں پیش ہو گی۔ فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ خَیْرُ الْحٰفِظِیْنَ

# تنظیمِ اسلامی کا آٹھواں سالانہ اجتماع

اور مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیرِ اہتمام

# تیسرے سالانہ محاضراتِ قرآنی کا انعقاد

مرتبہ: جمیل الرحمٰن

جیسا کہ مارچ ۸۳ء کے 'میثاق' میں اعلان کیا گیا تھا کہ امسال تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع اور انجمن کے زیرِ اہتمام سالانہ محاضراتِ قرآنی کا انعقاد ایک ہی تاریخوں میں پیش نظر ہے۔ چنانچہ لِلّٰہِ الحَمدُ والمنّہ پروگرام کے مطابق یہ دونوں دینی اجتماعات ازیکم تا ۷ راپریل ۸۳ منعقد ہو کر پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ جن کی نہایت اجمالی روداد حسبِ ذیل ہے:۔

## تنظیمِ اسلامی کا سالانہ اجتماع

ہر انقلابی دعوت کے لئے یہ امر تقریباً لزوم کا درجہ رکھتا ہے کہ اس کے وابستگان سال میں ایک بار جمع ہوں۔ اس اجتماع میں سال بھر کی کارگزاری اور دعوت کی پیش رفت کا جائزہ لیا جائے۔ موانعات کو سمجھا جائے، استحکام و توسیع دعوت کے لئے تدابیر و تجاویز پر غور و خوض کیا جائے اور نئے جوش، نئے ولولے اور عزم تازہ کے ساتھ وابستگان تحریک اپنے اپنے مستقروں کو مراجعت کریں اور دعوت کے کام کو انہماک اور سرگرمی سے انجام دینے کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائیں ــــ

تنظیم اسلامی چونکہ عبادتِ رب، شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کی دعوت کی علمبردار ہے اور اس کی دعوت کے بنیادی نکات میں دعوت تجدید ایمان، توبہ، تجدید عہد شامل ہیں۔ لہٰذا اس کا سالانہ اجتماع خالص دینی نوعیت کا حامل ہوتا ہے اور اس کے رفقاء کے سامنے صرف رضائے الٰہی کا حصول بطور نصب العین مقصود و مطلوب ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے سالانہ اجتماع میں جہاں تنظیمی امور

زیرِ گفتگو آتے ہیں، وہاں شرکاء کے لئے تربیتی نوعیت کے پروگرام بھی ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔

اسی مقصد کے پیشِ نظر اس آٹھویں سالانہ اجتماع میں ایسے تربیتی پروگراموں کا خاص طور پر خیال رکھا گیا تھا جو ایک اصولی اسلامی انقلابی تنظیم کے لئے ازبس ضروری ہوتے ہیں تاکہ اس کے وابستگان اور رفقاء کار کے اذہان میں تنظیم جن مقاصد کی بجا آوری کے لئے قائم ہوئی ہے اس کے بنیادی واساسی مقاصد کا حقیقی شعور ہمیشہ اجاگر اور واضح رہے۔ ان کی بار بار تذکیر یعنی یاددہانی ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ تنظیم کے پیشِ نظر مقاصد کے حصول کے لئے تنظیم نے جو طریقِ کار متعین کیا ہے اس کا اقرب الی السنۃ ہونے کا اطمینان اور اس کی حکمتوں کا واضح شعور بھی رفقاءِ تنظیم کو حاصل ہوتا رہے۔ ان امور کی تذکیر کو **شعورِ جماعت** کی تذکیر سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح ایک حقیقی انسان کے لئے **شعورِ ذات** ضروری ہے جس کے بغیر وہ انسان کی سطح سے گر کر حیوان کی سطح پر آجاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی تنظیم اور جماعت میں "اپنے قیام کی غایت اور طریقِ کار کا حقیقی شعور موجود نہ ہو"، تو اس کا وجود وعدم وجود برابر ہوجاتا ہے اور وہ محض ایک "نام کی تنظیم" یا جماعت بن کر رہ جاتی ہے یا پھر وہ ان مشاغل میں لگ جاتی ہے جن کا اس کے قیام کے اصل مقصود سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لیکن وہ مدعی اسی بات کی ہوتی ہے کہ وہ اپنے قیام کے موقع پر اپنے طے شدہ مقصد، موقف، ہدف اور منزل ہی کی طرف گامزن ہے۔ ان مغالطوں سے محفوظ رہنے کے لئے سالانہ اجتماع میں تنظیم کے مقاصدِ قیام کی تذکیر اور طریقِ کار کی صحت کا تیقن ازبس ضروری ہوتا ہے

چنانچہ تنظیم اسلامی کے اس آٹھویں سالانہ اجتماع کا افتتاح بفضلہٖ تعالیٰ امیرِ محترم کے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور کے خطابِ جمعہ سے ہوا۔ امیرِ محترم گذشتہ کئی جمعوں کے اجتماعات میں تسلسل کے ساتھ قرآن مجید اور سیرت مطہرہ سے استشہاد کرتے ہوئے مسلمانوں کے دینی فرائض کے موضوع کے ذیل میں اسلامی انقلاب کے چھ مراحل پر خطابات فرما رہے تھے ـــــ اس انقلاب کے مقتضیات و متضمنات کے لئے امیرِ محترم نے جو استدلالات پیش فرمائے تھے، ان کی صحیح تفہیم

تو اسی وقت ہو سکے گی جب یہ خطابات کیسٹوں سے منتقل ہو کر منصۂ شہود پر آئیں گے۔
مختصر طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ کسی بھی نظریاتی انقلاب کو جن مراحل سے دوچار ہونا پڑتا ہے، بعینہٖ انقلاب محمدؐ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو بھی ان مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ البتہ نظریات میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ دنیا کے دوسرے انقلابات اصلاً مادی نقطۂ نظر سے انسان کے اپنے فکر پر مبنی ہوتے ہیں جبکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلاب کی بنیاد وحی الٰہی تھی ـــــ ان مراحل پر جیسا کہ عرض کیا گیا امیر محترم اس سے قبل انہی اجتماعاتِ جمعہ میں تقاریر کر چکے ہیں۔ یکم اپریل کے اجتماع میں یہ موضوع زیرِ گفتگو تھا کہ اگر کوئی جماعت دعوتِ عبادتِ رب، شہادت علی الناس اور اقامت دین کی جدوجہد کے لئے قائم ہو تو اس کی حیثیت اجتماعی اور اس کی تشکیل کا کون سا ضابطہ اور طریقہ اقرب الی السنّۃ ہوگا! اس اجتماعِ جمعہ میں امیر محترم نے قرآن مجید اور حدیث شریف نیز تعاملِ سلف سے ثابت کیا کہ صرف **بیعت** ہی اس کا ضابطہ اور طریقہ کار ہے، جس پر ایسی تنظیم یا جماعت کا قیام عمل میں آنا چاہیئے۔ امیر محترم نے مزید فرمایا کہ انہوں نے اپنی امکانی حد تک اس مسئلہ پر تحقیق کی ہے اور غور و فکر بھی کیا ہے اور بالآخر وہ اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ایسی تنظیم یا جماعت کا قیام نظامِ بیعت ہی پر ہونا اصح ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی عالم دین کتاب و سنّت کے دلائل سے یہ ثابت کر دے کہ ایسی تنظیم یا جماعت کے قیام کے لئے بیعت کے علاوہ کوئی دوسرا طریق کار بھی کتاب و سنّت سے مستنبط کیا جا سکتا ہے تو وہ اپنی رائے سے بلا تردد رجوع کر لیں گے ـــــ انہوں نے کہا کہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس دور میں لفظ بیعت کافی بدنام ہے اور یہ طریقِ تنظیم اختیار کرنے پر اخبارات و رسائل اور نجی مجالس و محافل میں ان کا استہزاء و تمسخر ہو رہا ہے، ان کو تضحیک اور طنز و تعریض کا نشانہ بنایا جا رہا ہے لیکن وہ ان باتوں سے خائف نہیں ہیں۔ ان کے لئے اصل دلیل کتاب و سنّت ہے۔ کسی کے پاس یہ دلیل ہو تو وہ پیش کرے اسے تسلیم کرنے میں ان کی انا ان شاء اللہ آڑے نہیں آئے گی۔
ـــــ اس جمعہ میں معمول سے کہیں زیادہ حاضری تھی۔ ملک بھر سے تنظیم اسلامی کے رفقاء کی کثیر تعداد بھی اس اجتماعِ جمعہ میں شریک تھی۔
صلوٰۃ جمعہ سے فارغ ہو کر امیر محترم اور تنظیم کے وہ رفقاء جو اس وقت تک

مسجد دارالسلام پہنچ چکے تھے، قرآن اکیڈمی تشریف لائے۔ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر رفقاء نے آرام کیا۔ امیر محترم کچھ دیر کے قیلولہ کے بعد بذریعہ کار ماموں کانجن میں منعقد ہونے والی ایک اہل حدیث کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے چونکہ وہ منتظمین کانفرنس سے شرکت کا وعدہ کر چکے تھے۔ وہاں سے تقریباً ساڑھے تین بجے شب کو مراجعت ہوئی۔ اس سفر میں ہمارے رفیق ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب ان کے ساتھ تھے۔

یکم اپریل کو عصر سے مغرب تک انتظامی امور کے ضمن میں مختلف شعبوں کی ذمہ داریاں بطور ناظم شعبہ مختلف رفقاء کو تفویض کی گئیں نیز رفقاء اس دوران ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرتے رہے۔ بعد نماز مغرب اس اجتماع کی پہلی نشست ہوئی جس میں ملک میں جن مقامات پر باقاعدہ تنظیمیں یا اسرہ جات قائم ہیں، ان کا تعارف ہوا نیز بھائی عبدالرزاق صاحب نے اس اجتماع کے لئے ۲، اپریل سے ۷، اپریل تک کے نظام الاوقات سے مطلع کیا۔ اور رفقاء کو نظم قائم رکھنے اور منتظمین سے بھرپور تعاون کرنے کی اپیل کی اور اس ضمن میں ضروری پند و نصیحت کی۔ اس طرح یہ نشست اذانِ عشاء تک جاری رہی۔

۲، اپریل کو نماز فجر کے بعد ہمارے رفیق اور بھائی ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے ۵۰ منٹ تک درس قرآن حکیم دیا۔ وہ ۲، اپریل کو ماموں کانجن سے تقریباً ساڑھے تین بجے شب کو امیر محترم کے ساتھ واپس آئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا بعد نمازِ فجر درس روزانہ ۷، اپریل تک جاری رہا۔ انہوں نے ان دنوں میں سورۃ الحجرات کی آیات نمبر ۱۴، ۱۵، سورۃ الحج کی آخری دو آیات اور سورۃ الصف کا مکمل درس دیا۔ ان دروس کے ذریعے ایمان حقیقی کا جہاد فی سبیل اللہ سے جو ربط و تعلق ہے اور نجات اخروی کے لئے حقیقی ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کی جو اہمیت ہے اس کی تذکیر ہو گئی۔ دو روز یعنی ۶، اور ۷، اپریل کو نمازِ فجر کے بعد درس قرآن کے ساتھ کراچی کی تنظیم کے بزرگ رفیق بھائی عبدالخالق صاحب نے شب و روز کے معمولات کے لئے ادعیہ ماثورہ کے اہتمام کرنے کی طرف نہایت دلنشین اور مؤثر انداز میں توجہ دلائی۔ موصوف نے دونوں دن پندرہ منٹ تک اس موضوع پر خطاب کیا جو بلاشبہ انتہائی

پُرتاثیر تھا۔

(۲) اجتماع کا پروگرام اس طرح ترتیب دیا گیا تھا کہ صبح ۸½ سے ۱۰½ بجے تک دعوتی و تربیتی نوع کے امور رکھے گئے تھے۔ اور گیارہ بجے سے ایک بجے تک کا وقت تنظیمی امور پر گفتگو کے لئے مختص کیا گیا تھا۔ درمیان میں نصف گھنٹہ چائے کے لئے، عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت انفرادی طور پر رفقاء سے ملاقات، تعارف اور تبادلہ خیال یا ضرورت پر باقاعدہ نشست کے لئے نیز بعد مغرب محاضرات قرآنی میں شرکت کے لئے اوقات مخصوص تھے۔

۱۲ اپریل کو صبح ۸½ بجے تنظیم اسلامی کے اس آٹھویں سالانہ اجتماع کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ پہلے دن امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خطبہ مسنونہ تلاوت قرآن مجید اور ادعیہ ماثورہ سے اس نشست کا افتتاح کیا۔ اپنی افتتاحی تقریر میں موصوف نے اس اجتماع کے مفصل پروگرام اور نظام الاوقات سے مطلع کیا اور رفقاء کو ہدایت کی کہ وہ جہاں نظم و ضبط اور وقار و متانت کا پورا پورا لحاظ رکھیں وہاں فارغ اوقات میں رفقاء ایک دوسرے سے باہمی تعارف حاصل کریں ــــ بعدہٗ امیر محترم نے فرمایا کہ وہ بفضلہ تعالیٰ قرآن مجید کا مطالعہ تو سنِ شعور کو پہنچنے کے وقت ہی سے کر رہے تھے۔ جماعتِ اسلامی میں شمولیت کا دوران بھی ان کا کسی نہ کسی حد تک مطالعہ جاری رہا۔ جماعتِ اسلامی سے اوائل ۵۷ء میں علیحدگی کے بعد انہوں نے اپنے تمام فارغ اوقات قرآن حکیم کے معروضی مطالعے اور اس کی ہدایات، اس کے حِکَم اور اس کے طرز استدلال پر غور و تدبر پر صرف کئے۔ احادیث سے بھی استفادہ جاری رہا۔ اسی وقت سے بحمد اللہ تاحال یہ سلسلہ جاری ہے۔ اسی مطالعے کے نتیجے میں " مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب " مرتب ہوا جس میں قرآن حکیم میں مزید غور و فکر کے نتیجے میں وقتاً فوقتاً اضافے ہوتے رہے۔ امیر محترم نے مزید فرمایا کہ آج سے تقریباً ساڑھے تین چار سال قبل انہیں جب مختلف اداروں کی جانب سے سیرتِ مطہرہ پر تقاریر کی دعوتیں ملنی شروع ہوئیں تو انہوں نے سیرتِ مطہرہ کا بھی معروضی مطالعہ اور اس پر غور و تدبر شروع کیا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل خاص سے قرآن حکیم کی ہدایات، اس کے رموز و اسرار، اس کی حکمتیں، اس کا طرز استدلال اور اس

کی تعلیمات ان پر مزید منکشف ہوئیں۔ قرآن مجید نے انہیں پوری طرح Possess کر لیا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ کے اس قول پر کہ: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلقہ القرآن پر پختہ یقین حاصل ہو گیا۔ دینی فرائض کا جو جامع تصور ان کے پیش نظر تھا اس میں مزید گہرائی و گیرائی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان کو حاصل ہوئی۔ ساتھ ہی سیرت مطہرہ کے مطالعے کے نتیجے میں انقلاب محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے مراحل مزید نکھر کر سامنے آئے۔ اس ضمن میں بھی ذہنی ارتقاء حاصل ہوا۔ اسلامی انقلاب کے چھ مراحل نہایت منقح، واضح طور پر ان پر منکشف ہوئے۔ گذشتہ سال کے دوران وہ خاص طور پر فرائض دینی کے جامع تصور اور اسلامی انقلاب کے مراحل پر اپنی عام اور سیرت مطہرہ کی تقاریر میں روشنی ڈالتے رہے ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ دعوتہ ہر تقریر کے دوران ان پر مزید نکات بھی واضح ہوتے ہیں اور ان پر انشراح صدر بھی حاصل ہوتا ہے ——!!

امیر محترم نے فرمایا کہ فرائض دینی کو چھ نکات کے حوالے سے جامعیت کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے۔ ان میں سے تین نکات تو بنیادی و اساسی حیثیت کے حامل ہیں اور تین امور ان کے لوازم ہیں۔ اس طرح یہ چھ نکات بن جاتے ہیں۔ امیر محترم نے فرمایا کہ انقلاب محمدی کے مراحل بھی چھ ہی ہیں۔ ان پر وہ بعد میں روشنی ڈالیں گے —— دینی فرائض کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں انہوں نے فرمایا کہ اس کے بنیادی اور اساسی تین امور میں سے پہلی اساس "اسلام" ہے۔ یعنی ہم خود کلمہ اسلام پر عمل پیرا اور کاربند ہوں۔ اس عمل کو آپ ارکان اسلام سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ جس کی بنیاد کلمہ شہادت اور اس کے ارکان یا ستون۔ نماز، زکوٰۃ، حج اور روزہ ہیں۔ اسلام کی تعبیر کے لئے بہت سی درجہ بدرجہ قرآنی اصطلاحات ہیں جن میں پہلی اصطلاح ہے اطاعت۔ یہ لفظ طوع سے بنا ہے جس کے معنی ہیں، دل کی آمادگی سے فرمانبرداری کرنا۔ اسلام کے معنی بھی فرمانبرداری ہیں۔ لیکن اطاعت میں دل کی پوری آمادگی کا مفہوم بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس سے اگلی اصطلاح ہے تقویٰ: اس کا اصطلاحی مفہوم ہے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے پیش نظر اس کے احکام، اس کے اوامر اس کی ہدایات کی خلاف ورزی اور اس کی نواہی کو اختیار کرنے سے بچنا۔ امیر محترم نے فرمایا کہ

اسلام اور اطاعت ایک مثبت کردار کو ظاہر کرتا ہے اور تقویٰ اسی کی عکسی تصویر کے اظہار کا نام ہے ــــ اس کی اگلی اصطلاح ہے 'عبادت': ہمارے دین کے اعتبار سے "عبادت" کا اصطلاحی مفہوم ہوگا' اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہو کر ہمہ تن ہمہ رجوع ' ہمہ جہت اور ہمہ وقت اس کی بندگی اور پرستش کو اپنے اوپر لازم کر لینا۔ یہ ہمارے دین کی ہمہ گیر اور جامع ترین تعبیر اور اصطلاح ہے ۔ ان تمام اصطلاحات کو ملحوظ رکھ کر زندگی گزارنے کے لئے ہر بندۂ مومن کو جہاد مع النفس کرنا ہوتا ہے ۔ یہ وہ جہاد ہے جس کے متعلق حضورؐ کا فرمان ہے کہ افضل جہاد یہ ہے کہ: اَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ فِيْ طَاعَةِ اللّٰه ــــ ایک اور حدیث میں ہے کہ: جَاهِدُوْا اَهْوَاءَكُمْ كَمَا تُجَاهِدُوْنَ اَعْدَاءَكُمْ ۔ امیر محترم نے فرمایا کہ ان ذمہ داریوں کو حسن و خوبی اور دل کی پوری آمادگی نیز اس احساس کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے' ادا کرنے کا نام از روئے حدیث جبریل 'احسان' ہے ۔

امیر محترم نے فرمایا کہ فرائض دینی کی دوسری اساس کا تعلق ابنائے نوع کو دین پہنچانے سے ہے اس کے لئے قرآن حکیم کی متعدد اصطلاحات ہیں ہر اصطلاح عمل کے لئے مشعل راہ ہے۔ پہلی اصطلاح ہے دعوت: لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا پکارنا دوسری اصطلاح ہے تبلیغ: لوگوں تک قرآن حکیم اور اسلام کے پیغام کو پہنچانا: دعوت و تبلیغ سے متعلق دوسری متعدد قرآنی اصطلاحات ہیں جیسے تبشیر' انذار' وعظ و تذکیر' نصیحت و وصیت ــــ دوسری بڑی اہم اصطلاح ہے: امر بالمعروف و نہی عن المنکر ۔ نیکیوں اور بھلائیوں کا حکم دینا اور برائیوں اور خرابیوں سے روکنا ــــ امیر محترم نے فرمایا کہ 'امر' عربی میں مشورے کے لئے بھی آتا ہے۔ طاقت و قوت ہو تو اس سے یہ کام سرانجام دیئے جائیں۔ یہ میسر نہ ہو تو زبان سے اس فریضے کو انجام دیا جائے۔ اگر ماحول اتنا بگڑ گیا ہو کہ زبان سے بھی ایسا نہ ہو سکے تو دل میں شدید کڑھن ہو۔ اگر اس کڑھن کی کیفیت بھی دل میں نہ ہو تو یہ ضعف ایمان ہے ۔ امیر محترم نے فرمایا کہ یہ میں نے ایک حدیث کی ترجمانی کی ہے ۔ ایک دوسری حدیث میں کڑھن تک نہ ہونے کے متعلق حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جان لو ایسی حالت ہو تو دل میں ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی موجود نہیں ہے ــــ امیر محترم نے آگے فرمایا کہ دینی فرائض

کی دوسری اساس کے ضمن میں ہمہ گیر اور جامع ترین اصطلاح ہے۔ شہادت علی الناس یعنی اپنے قول و عمل سے غیر مسلموں پر اللہ کے دین کی حقانیت کی حجت قائم کر دینا۔ امیر محترم نے فرمایا کہ وہ جامع ترین اصطلاح ہے جس کے ذریعے امت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تعلق کارِ رسالت سے جڑ جاتا ہے۔ ختم نبوت کے بعد یہ فریضہ من حیث المجموع امت کو ادا کرنا تھا لیکن امت اس فرض سے غافل ہو جائے تو حکم الٰہی ہے کہ اس بڑی امت میں سے ایک جماعت تو ایسی ضرور قائم رہنی چاہیئے جو اس کام کو انجام دینا شعوری طور پر اپنے فرائض دینی میں شامل سمجھے۔

امیر محترم نے فرمایا کہ دینی فرائض کی تیسری اساس دین کو بالفعل قائم کرنے سے متعلق ہے ــ دعوت و تبلیغ یعنی دین کی طرف بلانے، پکارنے اور دین کو دوسروں تک پہنچانے کے کام اور دین کو عملاً قائم کرنے کے کام میں بڑا فرق ہے دین کے قیام کے لئے پانچ اصطلاحات ہیں جن میں چار قرآن میں اور ایک حدیث میں مذکور ہے ــ قرآن کی اصطلاحات میں سے دو مکی دور کی ہیں اور دو مدنی دور کی۔ مکی دور کی اصطلاحات تکبیر رب اور اقامتِ دین اور مدنی دور کی ــ اظہار دین الحق علی الدین کلہ اور ویکون الدین کلہ للہ ہیں۔ حدیث کی اصطلاح ہے: لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا۔

امیر محترم کا یہ لیکچر تقریباً دو گھنٹے جاری رہا۔ انداز خالص تعلیمی و تدریسی تھا حسب موقع قرآن و حدیث کے حوالے بھی پیش ہوتے رہے اور موصوف بلیک بورڈ پر ڈایاگرام بنا کر بھی ان امور کی تفہیم فرماتے رہے ــــ بعدہٗ چائے کا وقفہ ہوا۔ جس کے بعد دوسری نشست میں تنظیمی امور کے سلسلے میں تنظیم کی سالانہ رپورٹ (از یکم اپریل ۱۹۸۲ء تا ۳۱ مارچ ۱۹۸۳ء) مرتبہ محترم قاضی عبدالقادر صاحب قیم تنظیم اسلامی بھائی عبدالرزاق صاحب (ناظم بیت المال) نے پڑھ کر سنائی۔ چونکہ قاضی صاحب موصوف کو اپنے فرزند ارجمند کی اچانک علالت کے باعث فوری نوعیت کی مصروفیت درپیش ہو گئی تھی۔ لہٰذا موصوف اس وقت موجود نہیں تھے۔ اس میں تنظیم اسلامی کے سال ۸۲-۱۹۸۳ء (اپریل ۱۹۸۲ء تا مارچ ۱۹۸۳ء) کی ــــ کارگزاریوں کی رپورٹ تھی۔ ساتھ ہی مرکز کے سالانہ حسابات بابت ۱۹۸۲ء ــ

(از جنوری تا دسمبر) بھی شامل تھے۔ لیکن ان کو اس لئے اس نشست میں پیش نہیں کیا گیا کہ قیم محترم اس کو خود پیش کرنا چاہتے تھے۔ اس رپورٹ کی رو سے ۳۱ر مارچ ۸۳ء کو تنظیم اسلامی کی مختلف شہروں کی مقامی تنظیموں اور کل رفقاء کی تعداد ۸۱-۸۲ء کے مقابلے میں حسب ذیل تھی۔

| سال | پاکستان | بیرون ملک | میزان |
|---|---|---|---|
| ۱-۵-۸۲ کو رفقاء کی تعداد : | ۱۵۹ | ۱۸ | ۱۷۷ |
| ۱-۴-۸۳ کو " " " : | ۳۳۲ | ۴۸ | ۳۸۰ |

نوٹ: اس آٹھویں سالانہ اجتماع کے دوران اور متصلاً بعد ۱۲ر حضرات نے بیعت کی۔ ایک رفیق چودھری حبیب اللہ کا انتقال ہو گیا۔ تادم تحریر رفقاء کی تعداد ۳۹۱ ہے۔

اس تعداد میں ۴۰ خواتین بھی شامل ہیں۔ جن سے بیعت کا سلسلہ مجلس مشاورت کے فیصلے کے مطابق ۸۲-۸۳ء میں شروع ہوا تھا۔

کل مقامی تنظیمیں: ۸۱-۸۲ء میں : ۵
اضافہ ۸۲-۸۳ء میں : ۳
کل تعداد ۳۱ر مارچ ۸۳ء تک : ۸

نوٹ: اس آٹھویں سالانہ اجتماع میں ۴ نئی مقامی تنظیموں کی تشکیل ہوئی۔ لہٰذا تادم تحریر کل مقامی تنظیموں کی تعداد ۱۲ ہے۔

ایک بجے دوپہر اس دن کی کارروائی اختتام پذیر ہوئی ——!

(جاری ہے)

**برائے توجہ!**
قارئین میثاق سے گزارش ہے کہ خط وکتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں (شکریہ)

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶-۳۱
۲۳۹۳۱

ادارہ

# رفتارِ کار

محترم ڈاکٹر اسرار احمد امیرِ تنظیمِ اسلامی کی ۱۰ مارچ سے ۸ اپریل ۸۳ء تک کی مصروفیات کی مختصر رپورٹ پیشِ خدمت ہے ـــــ سابقہ شمارے میں شائع شدہ رپورٹ میں یہ ذکر رہ گیا تھا کہ ۸ مارچ ۸۳ء کو راولپنڈی اور اسلام آباد میں مقامی طور پر تنظیمِ اسلامی کے قیام کے ساتھ ہی راولپنڈی کی تحصیل گوجر خان کے لئے بھی مقامی تنظیمِ اسلامی کا قیام عمل میں آیا تھا اور امیرِ تنظیم نے جناب ارشد محمود صاحب کو اس مقامی تنظیم کا امیر نامزد کیا تھا۔

**دورۂ حجازِ مقدس** امیرِ محترم ۱۰ مارچ ۸۳ء کو کراچی سے اپنی اہلیہ محترمہ اور فرزند ارجمند ڈاکٹر عارف رشید سلمہٗ کے ساتھ حجازِ مقدس تشریف لے گئے۔ جہاں تینوں عمرہ اور مسجدِ نبویؐ کی زیارت کی سعادت سے مشرف و شاد کام ہوئے۔ اس سفر کے دوران دروسِ قرآن حکیم اور خطابات کا بھی اہتمام تھا۔ اس کی روداد اسی شمارے میں ہمارے رفیق ڈاکٹر عارف رشید سلمہٗ کے قلم سے لکھی ہوئی علیحدہ شامل کی جا رہی ہے۔

**لاہور** ۲۴ مارچ ۸۳ء کو امیرِ محترم کی لاہور مراجعت ہوئی۔ ۲۴ تاریخ ہی کو قرآن اکیڈمی میں شب جمعہ کے تربیتی اجتماع میں شرکت کی۔ ۲۵ مارچ ۸۳ء کو حسبِ معمول مسجد دارالسلام باغ جناح میں اجتماع جمعہ کو ۱۱½ بجے خطاب فرمایا۔ "انقلابِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تکمیلی مرحلہ" خطاب کا موضوع تھا۔ ۲۶ مارچ بروز ہفتہ بعد نماز عصر مسجد شہداء کے درس کی تجدید ہوئی۔ جہاں قرآن حکیم کے مسلسل درس کے ضمن میں سورۃ الفتح زیرِ درس ہے۔ ۲۸، ۲۹ مارچ کو دو دن تنظیمِ اسلامی کی مرکزی مجلسِ مشاورت منعقد ہوئی۔ یکم اپریل ۸۳ء کو صبح ساڑھے نو بجے مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیرِ اہتمام تیسری محاضراتِ قرآنی کا مسجد دارالسلام میں افتتاحی اجلاس ہوا۔ اسی تاریخ کو اجتماع جمعہ کو خطاب فرمایا۔ موضوع "نظامِ بیعت" تھا۔ صلوٰۃ جمعہ کے بعد امیرِ محترم نے اپنی بھتیجی اور بھانجے میں رشتۂ مناکحت قائم کیا۔

اور خطبۂ نکاح کی حکمتوں پر مختصر طور پر اظہارِ خیال فرمایا۔ محاضرات کا سلسلہ ۲ر اپریل سے ۶ر اپریل تک بعد نماز مغرب قرآن اکیڈمی میں جاری رہا۔ ۶ر اپریل ہی کو بعد نماز عصر قرآن اکیڈمی میں مرکزی انجمن کا گیارہواں سالانہ اجلاس ڈاکٹر صاحب انجمن کے صدر مؤسس کے زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ جس میں سابقہ سالانہ اجلاس کی روداد کی توثیق کے بعد ناظم اعلیٰ قاضی عبدالقادر صاحب نے انجمن کی کارگزاریوں کی دس سالہ رپورٹ مطبوعہ شکل میں پیش کی۔ بعدہٗ انجمن کے سالانہ حسابات پیش ہو کر منظور کئے گئے۔ بعد نماز مغرب محاضرات قرآنی کا آخری اجلاس صدر مؤسس ڈاکٹر صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس کے آخر میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے دعوت رجوع الی القرآن اور تحریک تجدید ایمان۔ توبہ۔ تجدید عہد کے باہمی ربط اور دونوں کے لازم و ملزوم ہونے کے موضوع پر ایک مفصل و مبسوط تقریر فرمائی۔ ۲ر اپریل سے ۷ر اپریل تک امیرِ محترم صبح سے دوپہر تک تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کی کارروائی میں مصروف رہے۔ اسی دوران امیرِ محترم NIPA لاہور میں لیکچر کے لئے بھی تشریف لے گئے۔ ۷ر اپریل کو بعد نماز عصر امیرِ محترم نے کراچی کے رفیق اور کراچی کی تنظیم کے قیم عبدالواحد عاصم صاحب کی خواہر نسبتی کا مسجد شہداء میں نکاح پڑھایا اور خطبہ نکاح کی حکمتیں مختصر طور پر بیان کیں۔ ۸ر اپریل کو مسجد دارالسلام میں اجتماع جمعہ کو خطاب فرمایا۔ موضوع "خواتین کی بیعت" تھا۔ یکم اپریل کی شام کو امیرِ محترم اہلحدیث کانفرنس کو خطاب کرنے کے لئے ماموں کانجن اور ۸ر اپریل کو قرأت کانفرنس میں شرکت کے لئے گوجرانوالہ تشریف لے گئے۔ جن کی رپورٹیں حسب ذیل ہیں۔

رپورٹ ماموں کانجن مرتبہ، ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب

ماموں کانجن میں ہر سال ایک عظیم الشان اہل حدیث کانفرنس منعقد ہوتی ہے دو سال قبل بھی اس کانفرنس کے لئے منتظمین نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے وقت مانگا مگر اس کی تاریخیں مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے پہلے محاضرات قرآنی کی تاریخوں سے ٹکرا گئیں۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب نے معذرت کر دی۔ اس مرتبہ ۱۷ر فروری کو ڈاکٹر صاحب فیصل آباد تشریف لے

گئے۔ کانفرنس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر جناب مولانا اسحٰق جمیہ صاحب نے امیرِ تنظیم اسلامی سے دوبارہ وقت مانگا۔ امیرِ محترم نے کانفرنس میں شرکت کا وعدہ فرمالیا۔ کانفرنس کی تاریخوں کے تعین کے بعد مولانا اسحٰق جمیہ صاحب نے فون پر دریافت کیا کہ ڈاکٹر صاحب ۳۱ مارچ یکم اور ۲ اپریل کے ایام میں سے کس روز ماموں کانجن تشریف لائیں گے۔ لیکن اس مرتبہ اگرچہ پھر یکم اپریل ہی سے تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع اور مرکزی انجمن خدام القرآن کے تحت سالانہ محاضراتِ قرآنی شروع ہونے والے تھے اور ڈاکٹر صاحب کی معروفیت بے پناہ تھی۔ تاہم ایفائے عہد کے پیشِ نظر ان کو امیرِ محترم کی طرف سے یکم اپریل بعد نماز عشاء کا وقت دے دیا گیا۔

لہٰذا جمعہ یکم اپریل کو ساڑھے چار بجے راقم اور رفیق تنظیم، اپنے بھتیجے، داماد بھائی سعید اسعد کے ہمراہ امیرِ محترم لاہور سے بذریعہ کار روانہ ہوئے۔ مغرب کی نماز فیصل آباد پہنچ کر ادا کی اور عشاء کے وقت ماموں کانجن پہنچنا ہوا ـــــ کانفرنس کی ابتداء میں صدرِ مجلس استقبالیہ مولانا محمد اسحٰق جمیہ صاحب نے خطبہ استقبالیہ پیش فرمایا اور اس کے بعد صدر کانفرنس مولانا محمد حنیف ندوی کا خطبہ صدارت پڑھ کر سنایا گیا۔ اس کے بعد امیرِ تنظیم اسلامی کو خطاب کی دعوت دی گئی اور آپ نے سوا گھنٹہ تک حاضرین سے ایمان اور جدوجہد کے موضوع پر خطاب فرمایا۔

ڈاکٹر صاحب نے پہلے حاضرین کو بتایا کہ ان دنوں خود ان کی معروفیت لاہور میں بہت زیادہ تھی مگر انہوں نے اس دعوت کو اس لئے قبول کیا کہ اس دارالعلوم ماموں کانجن (جس میں کانفرنس منعقد ہو رہی تھی) کے بانی صوفی محمد عبداللہ صاحب کا تعلق جماعت مجاہدین سے تھا اور یہ کہ صوفی صاحب اہل حدیث ہونے کے ساتھ ساتھ صوفی بھی تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ تصوف کا نام اگرچہ غیر اسلامی ہے مگر اس کی روح یقیناً اسلامی ہے اور اس کا نام حدیثِ جبرئیل کی رو سے "احسان" ہے۔ اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ تصوف کے ساتھ اتباعِ سنت بھی ہو اور صوفی صاحب تو اس سے آگے بڑھ کر مجاہد فی سبیل اللہ بھی تھے۔ امیرِ محترم نے پہلے سورۃ حجرات کی آیت نمبر ۱۴ کے حوالے سے اسلام اور ایمان کا

فرق واضح فرمایا کہ اسلام ایک وسیع تر اصطلاح ہے جو اپنے اندر مومن صادق اور مومن ضعیف کے ساتھ منافق کو بھی پناہ دیتی ہے۔ اس آیۂ مبارکہ میں مقبول اسلام کی شرطِ لازم اطاعت بیان کی گئی ہے۔ اور اگلی آیت میں ایمان کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ ایمان تو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہو کر ماننے کا نام ہے اور اس کا لازمی تقاضا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس جہاد کا اوّلین میدان فرمانِ نبویؐ ان تجاھد نفسك فی طاعۃ اللہ کے مصداق خود انسان کا اپنا نفس ہے کہ انسان اس کے ساتھ کشمکش اور مجاہدہ کرے تاکہ وہ اللہ کا مطیع اور فرمانبردار ہو جائے اور اس کی آخری منزل قتال فی سبیل اللہ ہے کہ انسان سیف در دست میدان میں آئے اور باطل کی قوت کو للکارے۔" تقریر کے بعد تقریباً گیارہ بجے شب کو موٹر سے واپسی ہوئی اور صبح ساڑھے تین بجے کے قریب ہم بحمد اللہ بخیریت لاہور واپس پہنچ گئے۔

**گوجرانوالہ** ۸ اپریل کو جمعہ کی نماز کے فوراً بعد (سوا بجے کے قریب) موسلا دھار بارش ہوئی جو تقریباً دو گھنٹے جاری رہی۔ خیال یہ تھا کہ گوجرانوالہ سے حسب قرارداد امیر محترم کو لینے گاڑی نہیں آئے گی۔ اور وہ مسجد دارالسلام پہنچی بھی نہیں تھی۔ لیکن جب ساڑھے تین بجے کے قریب امیر محترم قرآن اکیڈمی پہنچے تو وہاں گوجرانوالہ سے آئی ہوئی گاڑی موجود تھی۔ چنانچہ اس سے روانگی ہوئی۔ وہاں بلدیہ ہال میں انجمن تعمیر نو پاکستان (رجسٹرڈ) گوجرانوالہ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی چھٹی قرأت کانفرنس کے تقسیم انعامات کی تقریب کی امیر محترم نے صدارت کی اور بعد نماز مغرب انعامات تقسیم کئے۔ اس کانفرنس میں پنجاب اور سرحد کے اکثر دارالعلوموں کے قراء نے شرکت کی تھی۔ عصر اور مغرب کے مابین امیر محترم نے "انقلاب محمدیؐ کے مراحل" کے موضوع پر تقریباً پون گھنٹہ تقریر کی۔ ساتھ ہی ایسی دینی جماعت کی تشکیل کے لئے بیعت کے نظام کی اہمیت بیان فرمائی۔ بلدیہ ہال اور اس کی گیلری حاضرین سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اس کے باوجود سینکڑوں حضرات کھڑے ہو کر تقریر سنتے رہے۔ شرکاء میں متعدد مقامی علماء کرام بھی شریک تھے۔ امیر محترم نے ان کو دعوت دی کہ ان

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ
فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ
وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

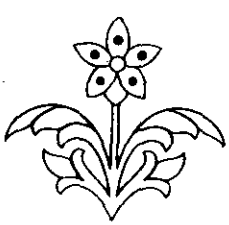

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ ایمپریس روڈ۔ لاہور

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

***PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED***

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور۔ ۳۰۶۴۲۸ / ۳۰۵۴۲۹

THE ORIGINAL
Coca-Cola
Have a Coke and a smile.
"COCA-COLA" AND "COKE" ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY.
THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY.
paragon

آپ کو پریسٹریسڈ کنکریٹ کے معیاری

## گارڈر، بلے اور سلیب وغیرہ

درکار ہوں تو وہاں تشریف لے جائیے جہاں

# اظہار لمیٹڈ کی تیار چھتیں

## کا بورڈ نظر آئے

❁ صدر دفتر : ۶ - کوثر روڈ - اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور

فون:- ۶۹۵۲۲ ۶۱۵۱۴

- پچیسواں کیلومیٹر - لاہور شیخوپورہ روڈ
- جی-ٹی روڈ کٹھالہ (نزد ریلوے پھاٹک) گجرات
- انڈس ہائی وے - مختار آباد - نزد راجن پور (ڈیرہ غازیخان ڈویژن)
- فیروز پور روڈ - نزد جامعہ اشرفیہ - لاہور - فون:- ۴۱۳۵۶۹
- شیخوپورہ روڈ - نزد نیشنل ہوزری فیصل آباد - فون:- ۵۰۶۲۶
- جی-ٹی روڈ - مریدکے
- جی-ٹی روڈ - سرائے عالمگیر
- جی-ٹی روڈ - سواں کیمپ - راولپنڈی - فون:- ۶۸۱۲۷

جاری کردہ: مختار سنز گروپ آف کمپنیز

Regd. L. No. 7360
MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 32 | MAY 1983 | No. 5


# قدرتی گیس کا ضیاع روکیئے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں۔ ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

## گیس بچا کر
## قومی معیشت کو
## مستحکم بنائیے

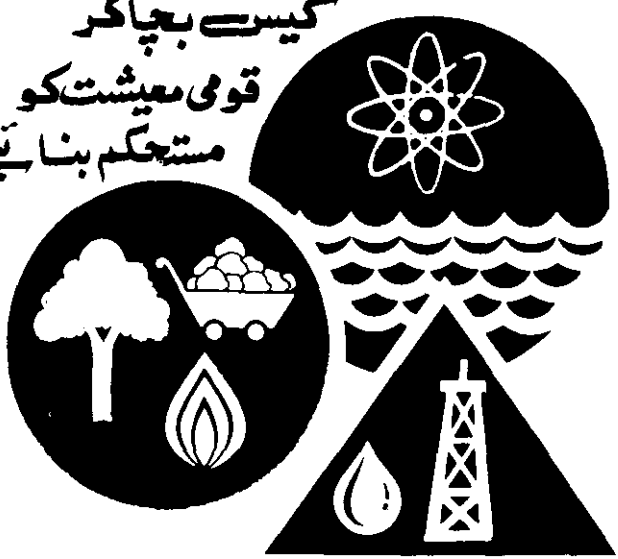



ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر زرِ مبادلہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ
قیمتی ہے،
اسے ضائع نہ کیجئے

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ